تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۸

چند اہم مضامین کی فہرست

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ
كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ
الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ
وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتارتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز کو ہم ان کے سامنے بھی لا کر جمع کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے - ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ چاہے بلکہ ان میں کے اکثر نادانی کرتے ہیں ○ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن چند شریر انسانوں اور سرکش جنوں کو بنا دیا ہے کہ دھوکہ دہی کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں - اگر تیرا رب چاہتا تو یہ شیاطین ایسی حرکت نہ کرتے - تو ان سے اور ان کی بہتان بازیوں سے بے نیاز ہو جا ○

فرماتا ہے کہ یہ کفار جو قسمیں کھا کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ وہ دیکھ لیتے تو ضرور ایمان لے آتے - یہ غلط کہتے ہیں - تمہیں ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے - یہ کہتے ہیں کہ اگر فرشتے اترتے تو ہم مان لیتے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے - فرشتوں کے آ جانے پر بھی اور ان کے کہہ دینے سے بھی کہ یہ رسول برحق ہیں' انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا - یہ صرف ایمان نہ لانے کے بہانے تراشتے ہیں کہ کبھی کہہ دیتے ہیں اللہ کو لے آ - کبھی کہتے ہیں فرشتوں کو لے آ - کبھی کہتے ہیں اگلے نبیوں جیسے معجزے لے آ - یہ سب حجت بازی اور حیلے حوالے ہیں - دلوں میں تکبر بھرا ہوا ہے - زبان سے سرکشی اور برائی ظاہر کرتے ہیں - اگر مردے بھی قبروں سے اٹھ کر آ جائیں اور کہہ دیں کہ یہ رسول برحق ہیں' ان کے دلوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوگا - قُبُلًا کی دوسری قرات قِبَلًا ہے جس کے معنی مقابلے اور معائنہ کے ہوتے ہیں - ایک قول میں قُبُلًا کے معنی بھی یہی بیان کئے گئے ہیں - ہاں مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اس کے معنی گروہ گروہ کے ہیں - ان کے سامنے اگر ایک ایک امت آ جاتی اور رسولوں کی صداقت کی گواہی دیتی تو بھی یہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اس لئے کہ ہدایت کا مالک وہی ہے نہ کہ یہ - وہ جسے چاہے ہدایت دے دے - وہ جو کرنا چاہے' کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا اور وہ چونکہ حاکم کل ہے' ہر ایک سے باز پرس کر سکتا ہے' وہ علیم و حکیم ہے - حاکم و غالب و قاہر ہے - اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ' یعنی جن لوگوں کے ذمہ کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے' وہ تمام تر نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ المناک عذاب نہ دیکھ لیں -

ہر نبی کو ایذا دی گئی: ☆☆ (آیت: ۱۱۲) ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپؐ تنگ دل اور مغموم نہ ہوں جس طرح آپؐ کے زمانے کے یہ کفار آپ کی دشمنی کرتے ہیں' اسی طرح ہر نبی کے زمانے کے کفار اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ دشمنی کرتے رہے ہیں' جیسے اور آیت میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ الخ' تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا' انہیں بھی ایذائیں پہنچائی گئیں جس پر انہوں نے صبر کیا - اور آیت میں کہا گیا ہے کہ تجھ سے بھی وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں کو کہا گیا تھا - تیرا رب بڑی مغفرت ہے اور ساتھ ہی المناک عذاب کرنے والا بھی ہے - اور آیت میں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ہم نے گنہگاروں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے - یہی بات ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی کہ آپ جیسی چیز جو رسول بھی لے کر آیا' اس سے

وَلِتَصۡغٰۤى اِلَيۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ صرف اس لئے کہ ان لوگوں کے دل ان باتوں کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت کو نہیں مانتے اور وہ انہیں پسند کر لیں اور جس عمل کے لائق یہ ہیں کر گذریں ○

عداوت کی گئی - نبیوں کے دشمن شریر انسان بھی ہوتے ہیں اور جنات بھی - عَدُوًّا سے بدل شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ہے - انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی - حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا' کیا تم نے شیاطین انس و جن سے اللہ کی پناہ بھی مانگ لی؟ صحابیؓ نے پوچھا' کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں - یہ حدیث منقطع ہے - ایک اور روایت میں ہے کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مجلس میں آپ دیر تک تشریف فرما رہے - مجھ سے فرمانے لگے' ابوذر تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ نہیں پڑھی' آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت ادا کر لو - جب میں فارغ ہو کر آیا تو فرمانے لگے' کیا تم نے انسانی و جناتی شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگی تھی؟ میں نے کہا نہیں - کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور وہ جنوں کے شیطانوں سے بھی زیادہ شریر ہیں - اس میں بھی انقطاع ہے -

ایک متصل روایت مسند احمد میں مطول ہے - اس میں یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ مسجد کا ہے - اور روایت میں حضور ﷺ کا اس فرمان کے بعد یہ پڑھنا بھی مروی ہے کہ شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا - الغرض یہ حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جس سے قوت صحت کا فائدہ ہو جاتا ہے - واللہ اعلم - عکرمہؒ سے مروی ہے کہ انسانوں میں شیطان نہیں' جنات کے شیطان ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرتے ہیں' آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ انسانوں کے شیطان جو انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جنوں کے شیطان جو جنوں کو گمراہ کرتے ہیں جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے اپنی کارگزاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں کو اس طرح بہکایا - تو فلاں کو اس طرح بہکایا ایک دوسرے کو گمراہی کے طریقے بتاتے ہیں - اس سے امام ابن جریرؒ تو یہ سمجھے ہیں کہ شیطان تو جنوں سے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض انسانوں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں' بعض جنات پر - تو یہ مطلب عکرمہؒ کے قول سے تو ظاہر ہے - ہاں سدیؒ کے قول میں متحمل ہے - ایک قول میں عکرمہؒ اور سدیؒ دونوں سے یہ مروی ہے - ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جنات کے شیاطین ہیں جو انہیں بہکاتے ہیں جیسے انسانوں کے شیان جو انہیں بہکاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر مشورہ دیتے ہیں کہ اسے اس طرح بہکا - صحیح وہی ہے جو حضرت ابوذرؓ والی حدیث میں اوپر گذرا - عربی میں ہر سرکش شریر کو شیطان کہتے ہیں - صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے سیاہ رنگ کے کتے کو شیطان فرمایا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کتوں میں شیطان ہے واللہ اعلم - مجاہدؒ فرماتے ہیں' کفار جن' کفار انسانوں کے کانوں میں صور پھونکتے رہتے ہیں - عکرمہؒ فرماتے ہیں میں مختار ابن ابی عبید کے پاس گیا' اس نے میری بڑی تعظیم و تکریم کی اپنے ہاں مہمان بنا کر ٹھہرایا رات کو بھی شاید اپنے ہاں سلاتا لیکن مجھ سے اس نے کہا کہ جاؤ لوگوں کو کچھ سناؤ میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا آپ وحی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا وحی کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کی طرف سے جیسے فرمان ہے بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اور دوسری وحی شیطانی جیسے فرمان ہے شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ الخ اتنا سنتے ہی لوگ میرے اوپر پل پڑے - قریب تھا کہ پکڑ کر مار پیٹ شروع کر دیں' میں نے کہا ارے بھائیو! یہ تم میرے ساتھ کیا کرنے لگے؟ میں نے تو تمہارے سوال کا جواب دیا اور میں تو تمہارا مہمان ہوں چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا - مختار ملعون لوگوں سے کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے - اس کی بہن حضرت صفیہ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں اور بڑی دیندار تھیں۔

جب حضرت عبداللہ کو مختار کا یہ قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے۔ قرآن میں ہے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ یعنی شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی لے جاتے ہیں۔ الغرض ایسے متکبر سرکش جنات وانس آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے بازی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور چاہت ومشیت ہے۔ وہ ان کی وجہ سے اپنے نبیوں کی اولوالعزمی اپنے بندوں کو دکھا دیتا ہے۔ تو ان کی عداوت کا خیال بھی نہ کر۔ ان کا جھوٹ تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ تو اللہ پر بھروسہ رکھ۔ اسی پر توکل کر اور اپنے کام اسے سونپ کر بے فکر ہو جا۔ وہ تجھے کافی ہے اور وہی تیرا مددگار ہے۔ یہ لوگ جو اس طرح کی خرافات کرتے ہیں، یہ محض اس لئے کہ بے ایمانوں کے دل، ان کی نگاہیں اور ان کے کان ان کی طرف جھک جائیں۔ وہ ایسی باتوں کو پسند کریں۔ اس سے خوش ہو جائیں۔ پس ان کی باتیں وہی قبول کرتے ہیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ ایسے واصل جہنم ہونے والے بہکے ہوئے لوگ ہی ان کی فضول اور چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ کرتے ہیں جو ان کے قابل ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تفصیل وار کتاب نازل فرمائی ہے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے ہی حق کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا ○ تیرے رب کی بات صداقت وعدالت کے ساتھ کامل ہوگئی۔ اس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ○

اللہ کے فیصلے اٹل ہیں: ☆☆ (۱۱۴-۱۱۵) حکم ہوتا ہے کہ مشرک جو کہ اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کر رہے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں آپس میں فیصلہ کرنے والا بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو تلاش کروں؟ اسی نے صاف کھلے فیصلے کرنے والی کتاب نازل فرما دی ہے۔ یہود و نصاریٰ جو صاحب کتاب ہیں اور جن کے پاس اگلے نبیوں کی بشارتیں ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل شدہ ہے۔ تجھے شکی لوگوں میں نہ ملنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ، یعنی ہم نے جو کچھ وحی تیری طرف اتاری ہے، اگر تجھے اس میں شک ہو تو جو لوگ اگلی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان سے پوچھ لے۔ یقین مان کہ تیرے رب کی جانب سے تیری طرف حق اتر چکا ہے۔ پس تو شک کرنے والوں میں نہ ہو۔ یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اسی لئے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، نہ میں شک کروں نہ کسی سے سوال کروں۔ تیرے رب کی باتیں صداقت میں پوری ہیں۔ اس کا ہر حکم عدل ہے۔ وہ اپنے حکم میں بھی عادل ہے اور خبروں میں صادق ہے اور یہ خبر صداقت پر مبنی ہے۔ جو خبریں اس نے دی ہیں، وہ بلاشبہ درست ہیں اور جو حکم فرمایا ہے،

وہ سراسر عدل ہے۔ اور جس چیز سے روکا' وہ یکسر باطل ہے۔ کیونکہ وہ جس چیز سے روکتا ہے' وہ برائی والی ہی ہوتی ہے۔ جیسے فرمان ہے یَاْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وہ انہیں بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے فرمان کو بدل سکے۔ اس کے حکم اٹل ہیں۔ دنیا میں کیا اور آخرت میں کیا' اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس کا تعاقب کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی حرکات و سکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ ہر عامل کو اس کے برے بھلے عمل کا بدلہ ضرور دے گا۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر تو ان کے کہے پر چلے تو وہ تجھے راہ اللہ سے بھٹکا دیں۔ وہ تو صرف گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اٹکل پچو باتیں ہی بناتے ہیں۔ تیرا رب ہی انہیں بخوبی جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ جو راہ راست پر ہیں' انہیں بھی وہی خوب جانتا ہے ○

بیکار خیالوں میں گرفتار لوگ: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں گمراہ کن ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ اور جگہ ہے وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ گو تو حرص کرے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ پھر یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھی کسی یقین پر نہیں' صرف باطل گمان اور بیکار خیالوں کا شکار ہیں۔ اندازے سے باتیں بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خیالات کے پیرو ہیں۔ توہم پرستی میں گھرے ہوئے ہیں یہ سب مشیت الٰہی ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ان پر گمراہیاں آسان کر دیتا ہے۔ وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی واقف ہے اور انہیں ہدایت آسان کر دیتا ہے۔ ہر شخص پر وہی کام آسان ہوتے ہیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھا لیا کرو اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ جو چیزیں تم

پر حرام کی گئی ہیں وہ کھول کھول کر بیان ہو چکی ہیں بجز اس حالت کے کہ تم ان چیزوں کی طرف بے بس کر دیئے جاؤ۔ اکثر لوگ صرف اپنی خواہشوں کی بنا پر بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ ہر ایک حد سے تجاوز کرنے والے کو اللہ بخوبی جانتا ہے ○ کھلے چھپے ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ گنہگاریاں کرنے والوں کو ان کی کی گنہگاریوں کی سزا یقیناً دی جائے گی ○

صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال باقی سب حرام : ☆☆ (آیت: ۱۱۸-۱۱۹) حکم بیان ہو رہا ہے کہ جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھا لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا مباح نہیں۔ جیسے مشرکین از خود مر گیا ہوا مردار جانور، بتوں اور تھالوں پر ذبح کیا ہوا جانور کھا لیا کرتے تھے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جن حلال جانوروں کو شریعت کے حکم کے مطابق ذبح کیا جائے اس کے کھانے میں حرج سمجھا جائے بالخصوص اس وقت کہ ہر حرام جانور کا بیان کھول کھول کر کر دیا گیا ہے۔ فصل کی دوسری قرات فصل ہے وہ حرام جانور کھانے ممنوع ہیں سوائے مجبوری اور سخت بے بسی کے کہ اس وقت جو مل جائے اس کے کھا لینے کی اجازت ہے۔ پھر کافروں کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ مردار جانور کو اور ان جانوروں کو جن پر اللہ کے سوا دوسروں کے نام لئے گئے ہوں حلال جانتے تھے۔ یہ لوگ بلا علم صرف خواہش پرستی کر کے دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹا رہے ہیں۔ ایسوں کی افترا پردازی دروغ بافی اور زیادتی کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔

(آیت: ۱۲۰) ظاہری اور باطنی گناہوں کو ترک کر دو۔ چھوٹے بڑے پوشیدہ اور ظاہر ہر گناہ کو چھوڑ دو۔ نہ کھلی بدکار عورتوں کے ہاں جاؤ نہ چوری چھپے بدکاریاں کرو۔ کھلم کھلا ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ غرض ہر گناہ سے دور رہو۔ کیونکہ ہر بدکاری کا برا بدلہ ہے۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ چاہے کہ کسی کو اس کی اطلاع ہو جائے۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۱

جس پر نام اللہ نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ۔ اس کا کھانا کھلی نافرمانی ہے۔ شیطان اپنے ڈھب کے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے کج بحثی کریں۔ اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تمہارے بھی مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں ○

سدھائے ہوئے کتوں کا شکار : ☆☆ (آیت: ۱۲۱) یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو وہی جو مذکور ہوا۔ خواہ جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا ہو یا بھول کر۔ اس کی دلیل آیت فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ہے یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں، تم اسے کھا لو اور اللہ کا نام اس پر لو۔ اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا۔ یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ احادیث میں بھی شکار کے اور ذبیحہ کے متعلق حکم وارد ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے، جس جانور کو وہ تیرے لئے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے۔ اور حدیث میں ہے، جو چیز خون بہا دے

اور اللہ کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو' اسے کھالیا کرو- جنوں سے حضورؐ نے فرمایا تھا' تمہارے لئے ہر وہ ہڈی غذا ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے- عید کی قربانی کے متعلق آپؐ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا' وہ اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کرلے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے پھر اللہ کا نام لے کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے- چند لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ بعض نومسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں- کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی لیا یا نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا' تم ان پر اللہ کا نام لو اور کھالو-

الغرض اس حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہؓ نے بھی سمجھا کہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں- ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں- کیا خبر اللہ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ تو حضورؐ نے انہیں بطور مزید احتیاط فرمادیا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو تاکہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو یہ اس کا بدلہ ہو جائے- ورنہ ہر مسلمان پر ظاہراً حسن ظن ہی ہو گا- دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے- اگر چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر' کوئی حرج نہیں- اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے' اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے اور آیت میں ہے اَوْ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ بقول عطا ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحہ سے بھی ممانعت کی گئی- اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ وَاِنَّهٗ (سورۂ انعام-۱۲۱) میں واؤ حالیہ ہے تو فسق اسی وقت ہو گا جب اسے غیر اللہ کے نام کا مان لیں اور یہ واؤ عطف کا ہو نہیں سکتا ورنہ اس سے جملہ اسمیہ جریہ کا عطف جملہ فعلیہ حالیہ پر لازم آئے گا- لیکن یہ دلیل اس کے بعد کے جملے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو یقیناً عاطفہ جملہ ہے- تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے' اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہو گا اور اگر اسے پہلے کے حالیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پر وارد کر رہے تھے' وہی ان پر پڑے گا- ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جو بات اور دعویٰ تھا' وہ سرے سے باطل ہو جائے گا- واللہ اعلم-

ابن عباسؓ کا قول ہے' مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو- اس مذہب کی تائید ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے جس میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے- اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو اللہ کا نام ہی لیتا- اس کی مضبوطی دار قطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ ذکر کرے تو کھالیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے- اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نومسلموں کے ذبیحہ کے کھانے کی جس میں دونوں احتمال تھے' آپ نے اجازت دی- تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور تحقیق کرنے کا حکم دیتے- تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کہنا بوقت ذبح بھول گیا ہے تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر قصداً نہیں کہی تو حلال نہیں- ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے' وہ حرام ہے- اسی لئے امام ابویوسف اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کے خلاف ہے- لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول محض غلط ہے- امام شافعیؒ سے پہلے بھی بہت سے ائمہ اس کے خلاف تھے- چنانچہ اوپر جو دوسرا مذہب بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے' یہ امام شافعیؒ کا' ان کے سب ساتھیوں کا اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا اور اشہب بن عبدالعزیز کا مذہب ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے- حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت عطا بن ابی رباحؒ کا اس سے اختلاف ہے- پھر اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہو

سکتا ہے- واللہ اعلم-

امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کہا ہے' انہوں نے اور دلائل سے اس حدیث کی بھی مخالفت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے- اگر وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا بھول گیا تو اللہ کا نام لے اور کھالے- یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع روایت کرنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبداللہ خرزمی کی ہے- ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبداللہ بن زبیر حمیری اسے عبداللہ بن عباسؓ سے موقوف روایت کرتے ہیں- بقول امام بیہقیؒ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے- شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے تھے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو- گو بھول سے ہی رہ گیا ہو- ظاہر ہے کہ سلف کراہت کا اطلاق حرمت پر کرتے تھے- واللہ اعلم- ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریرؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے مخالف ہوں اور اسے اجماع شمار کرتے ہیں- واللہ الموفق- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں- ان میں سے بعض کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور سب خلط ملط ہو گئے ہیں- آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو- پھر محمد بن سیرینؒ سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' جن پر اللہ کا ذکر نام نہیں کیا گیا' انہیں نہ کھاؤ- اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا کو' بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے' اس کو معاف فرما دیا ہے- لیکن اس میں ضعف ہے- ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ بتایئے تو ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ نے فرمایا' اللہ کا نام ہر مسلمان کی زبان پر ہے (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے- مروان بن سالم ابوعبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اور ان پر بہت سے آئمہ نے جرح کی ہے- واللہ اعلم- میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے- اس میں تمام مذاہب اور ان کے دلائل وغیرہ تفصیل سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے- بظاہر دلیلوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے- لیکن اگر کسی مسلمان کی زبان سے جلدی میں یا بھولے سے یا کسی اور وجہ سے نہ نکلے اور ذبح ہو گیا تو وہ حرام نہیں ہوتا (واللہ اعلم مترجم) عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں' اس میں اہل کتاب کے ذبیحہ کا استثنا کر لیا گیا ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا حلال جانور کھالینا ہمارے ہاں حلال ہے- تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے-

پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کہا گیا کہ مختار گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا' وہ ٹھیک کہتا ہے- شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں- اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا- ابن عباسؓ کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے' اس شخص کو سخت تعجب ہوا- اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو اللہ کی وحی جو آنحضرتؐ کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے- شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں- چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھائیں اور جسے اللہ مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے اسے نہ کھائیں؟ اس پر ایک آیت اتری اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت اللہ کے نام کا ذکر ہے- لیکن ہے یہ قصہ غور طلب- اولاً اس وجہ سے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اتری ہے- تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی ہے طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہوا سے کھالو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہوا سے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کرو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا ہوا جانور- اس پر یہ آیت اتری- پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اور ان کے اولیاء قریش ہیں- اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں کئی ایک سندوں سے مروی ہیں لیکن کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں-

پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لئے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جسے تم نے ذبح کیا' یہ تو وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور جو از خود مر گیا' وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا- مشرکین قریش فارسیوں سے خط و کتابت کر رہے تھے اور رومیوں کے خلاف انہیں مشورے اور امداد پہنچاتے تھے اور فارسی قریشیوں سے خط و کتابت رکھتے تھے اور آنحضرتؐ کے خلاف انہیں اکساتے اور ان کی امداد کرتے تھے- اسی میں انہوں نے مشرکین کی طرف یہ اعتراض بھی بھیجا تھا اور مشرکین نے صحابہؓ سے یہی اعتراض کیا اور بعض صحابہؓ کے دل میں بھی یہ بات کھٹکی- اس پر یہ آیت اتری- پھر فرمایا' اگر تم نے ان کی تابعداری کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کہ تم نے اللہ کی شریعت اور فرمان کے خلاف دوسرے کی مان لی اور یہی شرک ہے کہ اللہ کے قول کے مقابل دوسرے کا قول مان لیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو الہ بنا لیا ہے- ترمذی میں ہے کہ جب حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی تو آپؐ نے فرمایا' انہوں نے حرام کو حلال کہا اور حلال کو حرام کہا اور انہوں نے ان کا کہنا مانا- یہی عبادت ہے-

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۲

کیا ایک وہ شخص جو مردہ تھا' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے ایک نور عطا فرمایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے' مثل اس شخص کے ہے' جس کی حالت یہ ہو کہ وہ اندھیریوں میں گھرا ہوا ہو' جس سے نکل نہیں سکتا- ٹھیک اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال خوبصورت کر دیئے گئے ہیں ○

مومن اور کافر کا تقابلی جائزہ: ☆☆ (آیت:۱۲۲) مومن اور کافر کی مثال بیان ہو رہی ہے- ایک تو وہ جو پہلے مردہ تھا یعنی کفر و گمراہی کی حالت میں حیران و سرگشتہ تھا- اللہ نے اسے زندہ کیا' ایمان و ہدایت بخشی- اتباع رسولؐ کا چسکا دیا- قرآن جیسا نور عطا فرمایا جس کے منور احکام کی روشنی میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے- اسلام کی نورانیت اس کے دل میں رچ گئی ہے' دوسرا وہ جو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے جو ان میں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا- کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح مسلم و کافر میں بھی تفاوت ہے- نور و ظلمت کا فرق اور ایمان و کفر کا فرق ظاہر ہے' اور آیت میں ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ ایمان داروں کا ولی اللہ تعالیٰ ہے- وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کافروں کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں نور سے ہٹا کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں- یہ ابدی جہنمی ہیں-

اور آیت میں ہے اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ یعنی خمیدہ قامت والا' ٹیڑھی راہ چلنے والا اور سیدھے قامت والا' سیدھی

راہ چلنے والا کیا برابر ہے؟ اور آیت میں ہے' ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور سنتے دیکھتے کی طرح ہے کہ دونوں میں فرق نمایاں ہے افسوس پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور جگہ فرمان ہے' اندھا اور بینا' اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندے اور مردے برابر نہیں۔ اللہ جسے چاہے سنا دے لیکن تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا۔ تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ اس سورت کے شروع میں ظلمات اور نور کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے یہاں بھی مومن اور کافر کی یہی مثال بیان فرمائی گئی۔

بعض کہتے ہیں' مراد اس سے وہ خاص معین شخص ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہ یہ پہلے گمراہ تھے۔ اللہ نے انہیں اسلامی زندگی بخشی اور انہیں نور عطا فرمایا جسے لے کر لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ظلمات میں جو پھنسا ہوا ہے' اس سے مراد ابوجہل ہے۔ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ ہر مومن اور کافر کی مثال ہے۔ کافروں کی نگاہ میں ان کی اپنی جہالت و ضلالت اسی طرح آراستہ و پیراستہ کر کے دکھائی جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو ہی اچھائیاں سمجھتے ہیں۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کر کے پھر اپنا نور ان پر ڈالا' جسے اس نور کا حصہ ملا' اس نے دنیا میں آ کر راہ پائی اور جو وہاں محروم رہا' وہ یہاں بھی بہکا ہی رہا۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جیسے فرمان ہے اندھا اور دیکھتا اور اندھیرا اور روشنی برابر نہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اسی طرح ہم نے ہر شہر میں وہاں کے فاسق رئیسوں کو پیدا کر دیا ہے کہ وہ وہاں فساد مچاتے رہیں۔ دراصل یہ اپنے ہی حق میں فتنہ انگیزیاں کر رہے ہیں لیکن ہیں بھی بے سمجھ ○ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی پہنچتی ہے' کہہ دیتے ہیں کہ جب تک خود ہمیں اسی جیسا نہ دیا جائے جو اللہ کے نبیوں کو دیا گیا ہے' ہم ہرگز نہیں ماننے کے۔ اپنی پیغمبری کے لائق جگہ کا زیادہ جاننے والا اللہ ہی ہے۔ ان گنہگاروں کو ابھی ہی اللہ کے پاس کی ذلت اور بڑے بھاری عذاب ان کے فتنہ انگیزیوں کے بدلے ہوں گے ○

بستیوں کے رئیس گمراہ ہو جائیں تو تباہی کی علامت ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۴) ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی تسکین فرماتا ہے اور ساتھ ہی کفار کو ہوشیار کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جیسے آپ کی اس بستی میں رؤسائے کفر موجود ہیں جو دوسروں کو بھی دین برحق سے روکتے ہیں' اس طرح ہر پیغمبر کے زمانے میں اس کی بستی میں کفر کے ستون اور مرکز رہے ہیں لیکن آخرکار وہ غارت اور تباہ ہوتے ہیں اور نتیجہ ہمیشہ نبیوں کا ہی اچھا رہتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ ہر نبی کے دشمن ان کے زمانے کے گنہگار رہے۔ اور آیت میں ہے' ہم جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے رئیسوں کو کچھ حکم احکام دیتے ہیں جس میں وہ کھلم کھلا ہماری نافرمانی کرتے ہیں۔ پس اطاعت سے گریز کرنے پر عذابوں میں گھر جاتے ہیں۔ وہاں کے شریر لوگ اوج پر آ جاتے ہیں' پھر بستی ہلاک ہوتی ہے اور قسمت کا ان مٹ لکھا سامنے آ جاتا ہے۔

چنانچہ اور آیتوں میں ہے کہ جہاں کہیں کوئی پیغمبر آیا' وہاں کے رئیسوں اور بڑے لوگوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ مال میں' اولاد میں' ہم تم سے زیادہ ہیں اور ہم اسے بھی مانتے نہیں کہ ہمیں سزا۔ ہو اور آیت میں ہے کہ ہم نے جس بستی مین جس رسول کو بھیجا وہاں کے بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو جس طریقے پر اپنے بڑوں کو پایا ہے' ہم تو اسی پر چلے چلیں گے۔ مکر سے مراد گمراہی کی طرف بلانا ہے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لوگوں کو پھنسانا ہے جیسے کہ قوم نوح کے بارے میں ہے وَمَکَرُوا مَکْرًا کُبَّارًا قیامت کے دن بھی جبکہ یہ ظالم اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے' ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے' چھوٹے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے ہم تو مسلمان ہو جاتے' وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تمہیں ہدایت سے کب روکا تھا؟ تم تو خود گنہگار تھے۔ یہ کہیں گے' تمہاری دن رات کی فتنہ انگیزیوں نے اور کفر و شرک کی دعوت نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ مکر کے معنی حضرت سفیانؒ نے ہر جگہ عمل کے کئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔ جن لوگوں کو انہوں نے بہکایا ان کا وبال بھی انہیں کے دوش پر ہوگا جیسے فرمان ہے وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَھُمۡ مَّعَ اَثۡقَالِھِمۡ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی ڈھوئیں گے۔ جن کو بے عملی کے ساتھ انہوں نے بہکایا تھا۔ جب کوئی نشان اور دلیل دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جب تک اللہ کا پیغام فرشتے کی معرفت خود ہمیں نہ آئے ہم تو باور کرنے والے نہیں۔ کہا کرتے تھے کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے؟ اللہ ہمیں اپنا دیدار کیوں نہیں دکھاتا؟ حالانکہ رسالت کے مستحق کی اصلی جگہ کو اللہ ہی جانتا ہے۔ ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے رئیس پر یہ قرآن کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں اللہ عزوجل نے فرمایا' کیا تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے وہ ہیں؟ پس مکے یا طائف کے کسی رئیس پر قرآن کے نازل نہ ہونے سے وہ آنحضرتؐ کی تحقیر کا ارادہ کرتے تھے اور یہ صرف ضد اور تکبر کی بنا پر تھا۔

جیسے فرمان ہے کہ تجھے دیکھتے ہی یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے؟ یہ لوگ ذکر رحمٰن کے منکر ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ اچھا یہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنا رسول بنایا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مسخروں کا مسخراپن انہی پر الٹا پڑا۔ انہیں ماننا ہی پڑا تھا کہ آپ شریف النسب ہیں۔ آپ سچے اور امین ہیں۔ یہاں تک کہ نبوت سے پہلے قوم کی طرف سے آپ کو امین کا خطاب ملا تھا۔ ابوسفیان جیسے ان کا قریشیوں کے سردار نے بھی دربار ہرقل میں بھی حضورؐ کے عالی نسب ہونے اور سچے ہونے کی شہادت دی تھی۔ جس سے شاہ روم نے حضورؐ کی صداقت' طہارت' نبوت وغیرہ کو مان لیا تھا۔ مسند کی حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیمؑ سے اسماعیلؑ کو پسند فرمایا۔ اولاد اسماعیلؑ سے بنو کنانہ کو پسند فرمایا۔ بنو کنانہ سے قریش کو' قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے۔

فرمان ہے کہ یکے بعد دیگرے قرنوں میں سے سب سے بہتر زمانے میں پیغمبر بنایا گیا۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ کو لوگوں کی بعض کہی ہوئی باتیں پہنچیں تو آپؐ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا' میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا' آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مجھے بہتر بنایا ہے۔ مخلوق کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں جو بہتر حصہ تھا' اس میں کیا' پھر قبیلوں کی تقسیم کے وقت مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر جب گھر داریوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا۔ پس میں گھرانے کے اعتبار سے اور ذات کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ حضرت جبرئیل نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا' میں نے تمام مشرق و مغرب ٹٹول لیا لیکن آپ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا (حاکم بیہقی) مسند احمد میں ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور سب سے بہتر دل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پایا۔ پھر مخلوق کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو سب سے بہتر دل والے اصحاب رسولؐ پائے۔ پس حضورؐ کو اپنا خاص چیدہ رسولؐ بنایا اور اصحابؓ کو آپ کا وزیر بنایا جو آپ کے دین کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ پس یہ

مسلمان جس چیز کو بہتر سمجھیں وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسے یہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ ایک باہر کے شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مسجد کے دروازے سے آتا ہوا دیکھ کر مرعوب ہو کر لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ رسول کریم ﷺ کے چچا کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو ان کے منہ سے بے ساختہ یہ آیت نکلی کہ نبوت کی جگہ کو اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ اس عظیم الشان نبی کی نبوت میں شک وشبہ کر رہے ہیں اطاعت سے منہ پھیر رہے ہیں انہیں اللہ کے سامنے قیامت کے دن بڑی ذلت اٹھانی پڑے گی۔ دنیا کے تکبر کی سزا خواری کی صورت میں انہیں ملے گی جو ان پر دائمی ہو گی۔ جیسے فرمان ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے جی چراتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ انہیں ان کے مکر کی سزا اور سخت سزا ملے گی۔ چونکہ مکاروں کی چالیں خفیہ اور ہلکی ہوتی ہیں اس کے بدلے میں عذاب علانیہ اور سخت ہوں گے۔ یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ ان کا پورا بدلہ ہے۔ اس دن ساری چھپی عیاریاں کھل جائیں گی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعہد کی راہوں کے پاس قیامت کے دن ایک جھنڈا لہراتا ہو گا اور اعلان ہوتا ہو گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔ پس اس دنیا کی پوشیدگی اس طرح قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ اللہ ہمیں بچائے۔

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ کَذٰلِکَ یَجۡعَلُ اللّٰہُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ کا ہوتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اتنا بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے کہ گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پھٹکار اور نجاست ڈال دیتا ہے جو یقین نہیں کرتے ○

جس پر اللہ کا کرم اس پہ راہ ہدایت آسان : ☆☆ (آیت: ۱۲۵) اللہ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے اس پر نیکی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں جیسے فرمان ہے اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ الخ یعنی اللہ ان کے سینے اسلام کی طرف کھول دیتا ہے اور انہیں اپنا نور عطا فرماتا ہے۔ اور آیت میں ہے فرمایا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ الخ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کر دی۔ اور اسے تمہارے دلوں کو زینت دار بنا دیا اور کفر وفسق اور نافرمانی کی تمہارے دلوں میں کراہیت ڈال دی۔ یہی لوگ راہ یافتہ اور نیک بخت ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا دل ایمان وتوحید کی طرف کشادہ ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ دانا کون سا مومن ہے؟ فرمایا سب سے زیادہ موت کو یاد رکھنے والا اور سب سے زیادہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاریاں کرنے والا۔ حضورؐ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمایا کہ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ لوگوں نے اس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا جنت کی طرف جھکنا اور اس کی جانب رغبت کامل رکھنا اور دنیا کے فریب سے بھاگنا اور الگ ہونا اور موت کے آنے سے پہلے تیاریاں کرنا ضَیِّقًا کی ایک قرات ضَیۡقًا بھی ہے۔ حَرَجًا کی دوسری حَرِبًا جا بھی ہے یعنی گنہگار۔ یا دونوں کے ایک ہی معنی یعنی تنگ جو ہدایت کے لئے نہ کھلے اور ایمان اس میں جگہ نہ پائے۔ ایک مرتبہ ایک بادیہ نشین بزرگ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرجہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا یہ ایک درخت ہوتا ہے جس کے پاس

نہ تو چرواہے جاتے ہیں نہ جانور نہ وحشی۔ آپ نے فرمایا سچ ہے ایسا ہی منافق کا دل ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بھلائی جگہ پاتی ہی نہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اسلام باوجود آسان اور کشادہ ہونے کے اسے سخت اور تنگ معلوم ہوتا ہے۔ خود قرآن میں ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ لیکن منافق کا شکی دل اس نعمت سے محروم رہتا ہے۔ اسے اسے لا الہ الا اللہ کا اقرار ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے۔ جیسی کسی پر آسمان کی چڑھائی مشکل ہو۔ جیسے وہ اس کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح توحید وایمان بھی اس کے قبضے سے باہر ہیں۔ پس مردہ دل والے کبھی بھی اسلام قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بے ایمانوں پر شیطان مقرر کر دیتا ہے جو انہیں بہکاتے رہتے ہیں اور خیر سے ان کے دل کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ نحوست ان پر برستی رہتی ہے اور عذاب ان پر اتر آتے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾

تیرے رب کی سیدھی راہ یہی ہے۔ جو لوگ غور وفکر کرتے ہیں ان کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل وار بیان کر چکے ہیں ○ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں امن وامان کا گھر ہے۔ وہی ان کا کارساز ہے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے ○

قرآن حکیم ہی صراط مستقیم کی تشریح ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۶-۱۲۷) گمراہوں کا طریقہ بیان فرما کر اپنے اس دین حق کی نسبت فرماتا ہے کہ سیدھی اور صاف راہ جو بے روک اللہ کی طرف پہنچا دے یہی ہے۔ مُسْتَقِيْمًا کا نصب حالیت کی وجہ سے ہے۔ پس شرع محمدی کلام باری تعالیٰ ہی راہ راست ہے چنانچہ حدیث میں بھی قرآن کی صفت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ اللہ کی مضبوط رسی اور حکمت والا ذکر یہی ہے (ملاحظہ ہو ترمذی مسند وغیرہ) جنہیں اللہ کی جانب سے عقل وفہم وعلم دیا گیا ہے ان کے سامنے تو وضاحت کے ساتھ اللہ کی آیتیں آ چکیں۔ ان ایمانداروں کے لئے اللہ کے ہاں جنت ہے۔ جیسے کہ یہ سلامتی کی راہ یہاں چلے ویسے ہی قیامت کے دن سلامتی کا گھر انہیں ملے گا۔ وہی سلامتیوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کا کارساز اور دلی دوست ہے۔ حافظ وناصر موید ومولیٰ ان کا وہی ہے۔ ان کے نیک اعمال کا بدلہ یہ پاک گھر ہوگا جہاں ہمیشگی ہے اور یکسر راحت واطمینان سرور اور خوشی ہی خوشی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا
اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ
مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵/۸

جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا۔ اے جنو! تم نے بنی آدم میں سے اپنی جماعت بہت بڑی کر لی تھی۔ ان کے دوست انسان کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور جو وقت تو نے ہمارے لئے مقرر کر دیا تھا اس وعدے تک ہم پہنچ گئے۔ فرمائے گا تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ آگے جو اللہ کی مرضی۔ تیرا رب حکمت وعلم والا ہے ○ اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں بہ سبب اس کے جو وہ کرتے رہے ○

یوم حشر: ☆☆ (آیت:۱۲۸) وہ دن بھی قریب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا۔ جنات' انسان' عابد' معبود سب ایک میدان میں کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جنات سے ارشاد ہوگا کہ تم نے انسانوں کو خوب بہکایا اور ورغلایا۔ انسانوں کو یاد دلایا جائے گا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا۔ وہ تمہارا دشمن ہے۔ میری ہی عبادت کرتے رہنا۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ لیکن تم نے سمجھ سے کام نہ لیا اور شیطانی راگ میں آ گئے۔ اس وقت جنات کے دوست انسان جواب دیں گے کہ ہاں انہوں نے حکم دیا اور ہم نے عمل کیا۔ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور فائدہ حاصل کرتے رہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں جو مسافر کہیں اترتا تو کہتا کہ اس وادی کے بڑے جن کی پناہ میں میں آتا ہوں۔ انسانوں سے جنات کو بھی فائدہ پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ان کے سردار سمجھنے لگے تھے۔ موت کے وقت تک یہی حالت رہی۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اچھا اب بھی تم ساتھ ہی جہنم میں جاؤ۔ وہیں ہمیشہ پڑے رہنا۔ یہ استثناء جو ہے' وہ راجع ہے برزخ کی طرف۔ بعض کہتے ہیں دنیا کی مدت کی طرف۔ اس کا پورا بیان سورۂ ہود کی آیت خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ الخ کی تفسیر میں آئے گا ان شاءاللہ۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے جنت دوزخ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سب مشیت رب پر موقوف ہے۔

ہم مزاج ہی دوست ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت:۱۲۹) لوگوں کی دوستیاں اعمال پر ہوتی ہیں۔ مومن کا دل مومن سے ہی لگتا ہے گو وہ کہیں کا ہو اور کیسا ہی ہو اور کافر کافر بھی ایک ہی ہیں وہ مختلف ممالک اور مختلف ذات پات کے ہوں۔ ایمان تمناؤں اور ظاہرداریوں کا نام نہیں۔ اس مطلب کے علاوہ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام کفار جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ مالک بن دینار کہتے ہیں' میں نے زبور میں پڑھا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں منافقوں سے انتقام منافقوں کے ساتھ ہی لوں گا۔ پھر سب سے ہی انتقام لوں گا۔ اس کی تصدیق قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے بھی ہوتی ہے کہ ہم ولی بنائیں گے بعض ظالموں کو بعض ظالموں کا یعنی ظالم جن اور ظالم انس۔ پھر آپ نے آیت وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ہم سرکش جنوں کو سرکش انسانوں پر مسلط کر دیں گے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے' جو ظالم کی مدد کرے گا' اللہ اسی کو اس پر مسلط کر دے گا۔ کسی شاعر کا قول ہے

وما من يدالا يد الله فوقها وما ظالم الا سيبلى بظالم

یعنی ہر ہاتھ ہر طاقت پر اللہ کا ہاتھ اور اللہ کی طاقت بالا ہے اور ہر ظالم دوسرے ظالم کے پنجے میں پھنسنے والا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے جس طرح ان نقصان یافتہ انسانوں کے دوست ان بہکانے والے جنوں کو بنا دیا' اسی طرح ظالموں کے بعض کو بعض کا ولی بنا دیتے ہیں اور بعض بعض سے ہلاک ہوتے ہیں اور ہم ان کے ظلم و سرکشی اور بغاوت کا بدلہ بعض سے بعض کو دلا دیتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس خود تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے میری آیتیں تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی

ملاقات سے ہوشیار کر رہے تھے۔ سب کہیں گے کہ ہاں ہم خود اپنے اوپر گواہ ہیں۔ انہیں حیات دنیا نے دھوکے میں ڈال دیا اور اپنے کافر ہونے کی گواہی خود انہوں نے ہی دے دی O

جن اور انسان اور پاداش عمل: ☆☆ (آیت: ۱۳۰) یہ اور سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ ہے جو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے انسانوں اور جنوں کو ہوگی۔ ان سے سوال ہوگا کہ کیا تم میں سے ہی تمہارے پاس میرے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے۔ یہ یاد رہے کہ رسول کل کے کل انسان ہی تھے۔ کوئی جن رسول نہیں ہوا۔ ائمہ سلف خلف کا مذہب یہی ہے۔ جنات میں نیک لوگ جنوں کو نیکی کی تعلیم کرتے تھے۔ بدی سے روکتے تھے لیکن رسول صرف انسانوں میں سے ہی آتے رہے۔ ضحاک بن مزاحم سے ایک روایت مروی ہے کہ جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں اور ان کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے۔ سو یہ کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ اس میں صراحت نہیں اور یہ آیت تو بالکل ویسی ہی ہے جیسے مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ الخ سے یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ الخ تک کی آیتیں۔ صاف ظاہر ہے کہ موتی مرجان صرف کھاری پانی کے سمندروں میں نکلتے ہیں۔ میٹھے پانی سے نہیں نکلتے لیکن ان آیتوں میں دونوں قسم کے سمندروں میں سے موتیوں کا نکلنا پایا جاتا ہے کہ ان کی جنس میں سے مراد یہی ہے۔

اس طرح اس آیت میں مراد جنوں انسانوں کی جنس میں سے ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں سے اور رسولوں کے صرف انسان ہی ہونے کی دلیل اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ سے بَعْدَ الرُّسُلِ تک کی آیتیں اور وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ پس ثابت ہوتا ہے کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا انحصار آپ ہی کی اولاد میں ہو رہا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس انوکھی بات کا قائل ایک بھی نہیں کہ آپ سے پہلے نبی ہوتے تھے اور پھر ان میں سے نبوت چھین لی گئی۔

اور آیت اس سے بھی صاف ہے۔ فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اور آیت میں ہے اور اس نے یہ مسئلہ بالکل صاف کر دیا ہے' فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی یعنی تجھ سے پہلے ہم نے مردوں کو ہی بھیجا ہے جو شہروں کے ہی تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی نازل فرمائی تھی۔ چنانچہ جنات کا یہی قول قرآن میں موجود ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الخ جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف پھیرا جو قرآن سنتے رہے۔ جب سن چکے تو واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد کی نازل شدہ کتاب سنی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور راہ حق دکھاتی ہے اور صراط مستقیم کی رہبری کرتی ہے۔ پس تم سب اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی مانو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں المناک عذابوں سے بچائے۔ اللہ کی طرف سے جو پکارنے والا ہے' اس کی نہ ماننے والے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے نہ اس کے سوا اپنا کوئی اور کارساز اور والی پا سکتے ہیں بلکہ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اس موقعہ پر جنات کو رسول اللہ ﷺ نے سورۂ الرحمٰن پڑھ کر سنائی تھی جس میں ایک آیت سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ الخ ہے یعنی اے جنو انسانو ہم صرف تمہاری ہی طرف تمام تر توجہ کرنے کے لئے عنقریب فارغ ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلا رہے ہو؟ الغرض انسانوں اور جنوں کو اس آیت میں نبیوں کے ان میں سے بھیجنے میں بطور خطاب کے شامل کر لیا ہے ورنہ رسول سب انسان ہی ہوتے ہیں۔ نبیوں کا کام یہی رہا کہ وہ اللہ کی آیتیں سنائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں۔ اس سوال کے جواب میں سب کہیں گے کہ ہاں ہمیں اقرار ہے تیرے رسول ہمارے پاس آئے اور تیرا کلام بھی پہنچایا اور اس دن سے بھی متنبہ کر دیا

تھا - پھر جناب باری فرماتا ہے انہوں نے دنیا کی زندگی دھوکے میں گزاری - رسولوں کو جھٹلاتے رہے - معجزوں کی مخالفت کرتے رہے - دنیا کی آرائش پر جان دیتے رہ گئے - شہوت پرستی میں پڑے رہے - قیامت کے دن اپنی زبانوں سے اپنے کفر کا اقرار کریں گے کہ ہاں بے شک ہم نے نبیوں کی نہیں مانی - صلوات اللہ وسلامہ علیہم

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لئے کہ تیرا رب ظلم کے ساتھ کسی بستی کو اس حال میں کہ وہ غافل ہوں ہلاک کرنے والا نہیں ○ ہر شخص کے لئے اس کے اعمال کے بدلے کے درجے ہیں - تیرا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ○

حجت تمام: ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۲) جن اور انسانوں کی طرف رسول بھیج کر کتابیں اتار کر ان کے عذر ختم کر دیئے اس لئے کہ یہ اللہ کا اصول نہیں کہ وہ کسی بستی کے لوگوں کو اپنی منشا معلوم کرائے بغیر چپ چاپ اپنے عذابوں میں جکڑ لے اور اپنا پیغام پہنچائے بغیر بلا وجہ ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے - فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی کوئی امت ایسی نہیں جہاں کوئی آگاہ کرنے والا نہ آیا ہو - اور آیت میں ہے ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اے لوگو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے بچو اور جگہ ہے ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں کیا کرتے - سورۂ تبارک میں ہے جب جہنم میں کوئی جماعت جائیگی تو وہاں کے داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس آگاہ کرنے والے نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے - اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں - اس آیت کے پہلے جملے کے ایک معنی امام ابن جریرؒ نے اور بھی بیان کئے ہیں اور فی الواقع وہ معنی بہت درست ہیں - امام صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ کسی بستی والوں کے ظلم اور گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک نبیوں کو بھیج کر انہیں غفلت سے بیدار نہ کر دے - ہر عامل اپنے عمل کے بدلے کا مستحق ہے - نیک نیکی کا اور بد بدی کا - خواہ انسان ہو خواہ جن ہو - بدکاروں کے جہنم میں درجے ان کی بدکاری کے مطابق مقرر ہیں - جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ الہیہ سے روکتے ہیں انہیں عذاب پر عذاب ہوں گے اور ان کے فساد کا بدلہ ملے گا - ہر عامل کا عمل اللہ پر روشن ہے تاکہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے -

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

تیرا رب بے نیاز اور رحمت والا ہے - اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے کہ اس نے تمہیں دوسری قوموں کی نسل

سے پیدا کیا ہے ○ جو کچھ وعدے تمہیں دیئے جا رہے ہیں' وہ قطعاً آنے والے ہیں۔ تم اللہ کو کسی بات پر عاجز نہیں کر سکتے ○ کہہ دے کہ اے لوگو تم سب اپنی جگہ عمل کئے جاؤ۔ میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت میں نیک انجام کس کا ہوتا ہے؟ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ بے انصاف کسی طرح فلاح پانے والے نہیں ○

سب سے بے نیاز اللہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۵) اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے' اسے کسی کی کوئی حاجت نہیں۔ اسے کسی سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ساری مخلوق اپنے ہر حال میں اس کی محتاج ہے۔ وہ بڑی ہی رافت و رحمت والا ہے۔ رحم و کرم اس کی خاص صفتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی اور لطف سے پیش آنے والا ہے۔ تم جو اس کی مخالفت کر رہے ہو تو یاد رکھو کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں ایک آن میں غارت کر سکتا ہے اور تمہارے بعد ایسے لوگوں کو بسا سکتا ہے جو اس کی اطاعت کریں۔ یہ اس کی قدرت میں ہے۔ تم دیکھ لو اس نے آخر اوروں کے قائم مقام تمہیں بھی کیا ہے۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن وہی لاتا ہے۔ ایک کو مار ڈالتا ہے دوسرے کو پیدا کر دیتا ہے۔ لانے لے جانے پر اسے مکمل قدرت ہے جیسے فرمان ہے' اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے۔ وہ اس پر قادر ہے۔ فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ لوگو تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔ اللہ کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں۔

اور فرمان ہے وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو۔ فرماتا ہے اگر تم نافرمان ہو گئے تو وہ تمہیں بدل کر اور قوم لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ ذریت سے مراد اصل و نسل ہے۔ اے نبیؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت جنت دوزخ وغیرہ کے جو وعدے تم سے کئے جا رہے ہیں' وہ یقیناً سچے ہیں اور یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے اعادے پر قادر ہے۔ تم گل سڑ کر مٹی ہو جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں نئی پیدائش میں پیدا کرے گا۔ اس پر کوئی عمل مشکل نہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' اے بنی آدم اگر تم میں عقل ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کرو۔ واللہ اللہ کی فرمائی ہوئی سب باتیں بہ یقین ہونے والی ہیں' کوئی نہیں جو اللہ کے ارادے میں اسے ناکام کر دے۔ اس کی چاہت کو نہ ہونے دے۔ لوگو تم اپنی کرنی کئے جاؤ' میں اپنے طریقے پر قائم ہوں' ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر کون تھا؟ اور ضلالت پر کون تھا؟ کون نیک انجام ہوتا ہے اور کون گھٹنوں میں سر ڈال کر روتا ہے۔ جیسے فرمایا' بے ایمانوں سے کہہ دو کہ تم اپنے شغل میں رہو۔ میں بھی اپنے کام میں لگا ہوں۔ تم منتظر رہو' ہم بھی انتظار میں ہیں۔ معلوم ہو جائے گا کہ' انجام کے لحاظ سے کون اچھا رہا؟ یاد رکھو اللہ نے جو وعدے اپنے رسول سے کئے ہیں سب اٹل ہیں۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ نبی جس کا چپہ چپہ مخالف تھا' جس کا نام لینا دوبھر تھا جو یکہ و تنہا تھا' جو وطن سے نکال دیا گیا تھا' جس کی دشمنی ایک ایک کرتا تھا' اللہ نے اسے غلبہ دیا' لاکھوں دلوں پر اس کی حکومت ہو گئی' اس کی زندگی میں ہی تمام جزیرہ عرب کا وہ تنہا مالک بن گیا۔ یمن اور بحرین پر بھی اس کے سامنے اس کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پھر اس کے جانشینوں نے دنیا کو کھنگال ڈالا۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے منہ پھیر دیئے' جہاں گئے غلبہ پایا۔ جدھر رخ کیا' فتح حاصل کی' یہی اللہ کا وعدہ تھا کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ مجھ سے زیادہ قوت و عزت کسی کی نہیں۔ فرما دیا تھا کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد فرمائیں گے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ رسولوں کی طرف اس نے وحی بھیجی تھی کہ ہم ظالموں کو تہ و بالا کر دیں گے اور ان کے بعد زمینوں کے سرتاج تمہیں بنا دیں گے کیونکہ تم مجھ سے اور میرے عذابوں سے ڈرنے والے ہو۔ وہ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ تم میں سے

ایمانداروں اور نیک کاروں کو میں زمین کا سلطان بنادوں گا جیسے کہ پہلے سے یہ دستور چلا آ رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے دین میں مضبوطی اور کشائش دے گا۔ جس کے دین سے وہ خوش ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا۔ فللہ الحمد والمنہ اولا واخرا وظاھرا وباطنا۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں' اس میں سے کچھ حصہ تو وہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو اللہ کا ہے اپنے گمان سے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔ پھر جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے' وہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں ○ اسی طرح اکثر مشرکوں کے لئے ان کے معبودوں نے اپنی اولادوں کو مار ڈالنا بھی بھلا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں' اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تو انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دے ○

بدعت کا آغاز: ☆☆ (آیت:۱۳۶) مشرکین کی ایک نوایجاد (بدعت) جو کفر و شرک کا ایک طریقہ تھی' بیان ہو رہی ہے کہ ہر چیز پیدا کی ہوئی تو ہماری ہے پھر یہ اس میں سے نذرانہ کا کچھ حصہ ہمارے نام کا ٹھہراتے ہیں اور کچھ اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کا جنہیں وہ ہمارا شریک بنائے ہوئے ہیں' اسی کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے ہیں کہ اللہ کے نام کا ٹھہرایا ہوا نذرانہ بتوں کے نام والے میں مل گیا تو وہ تو بتوں کا ہو گیا لیکن اگر بتوں کے لئے ٹھہرائے ہوئے میں سے کچھ اللہ کے نام والے میں مل گیا تو اسے جھٹ سے نکال لیتے تھے۔ کوئی ذبیحہ اپنے معبودوں کے نام کا کریں تو بھول کر بھی اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ کیسی بری تقسیم کرتے ہیں۔ اولاً تو یہ تقسیم ہی جہالت کی علامت ہے کہ سب چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی' اس کی ملکیت' پھر ان میں سے دوسرے کے نام کی کسی چیز کو نذر کرنے والے یہ کون؟ جو اللہ لاشریک ہے۔ انہیں اس کے شریک ٹھہرانے کا کیا مقصد؟ پھر اس ظلم کو دیکھو۔ اللہ کے حصے میں سے تو بتوں کو پہنچ جائے اور بتوں کا حصہ ہرگز اللہ کو نہ پہنچ سکے۔ یہ کیسے بدترین اصول ہیں۔ ایسی ہی غلطی یہ بھی تھی کہ اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے' اس کے بندوں کو اس کا جز ٹھہرا کر اپنے اوپر کفر اوڑھتے تھے۔ اتنا نہیں سوچتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکے تو تمہارے ہوں اور جن لڑکیوں سے تم بیزار وہ اللہ کی ہوں' کیسی بری تقسیم ہے۔

شیطان کے چیلے: ☆☆ (آیت:۱۳۷) جیسی کہ شیطانوں نے انہیں راہ پر لگا دیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے خیرات کریں تو اپنے بزرگوں کے نام کا بھی حصہ نکالیں۔ اسی طرح انہیں شیطان نے اس راہ پر بھی لگا رکھا ہے کہ وہ اپنی اولادوں کو بے وجہ قتل کر دیں۔ کوئی اس وجہ سے کہ ہم اسی کھلائیں گے کہاں سے؟ کوئی اس وجہ سے کہ ان بیٹیوں کی بنا پر ہم کسی کے خسر بنیں گے وغیرہ۔ اس شیطانی حرکت کا نتیجہ ہلاکت اور دین کی

الجھن ہے۔ یہاں تک کہ یہ بدترین طریقہ ان میں پھیل گیا تھا کہ لڑکی کے ہونے کی خبر ان کے چہرے سیاہ کر دیتی تھی' ان کے منہ سے یہ نکلتا نہ تھا کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی۔ قرآن نے فرمایا کہ ان بے گناہ زندہ درگور کی ہوئی بچیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کر دی گئیں۔ پس یہ سب وسوسے شیطانی تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ رب کا ارادہ اور اختیار اس سے الگ نہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو مشرک ایسا نہ کر سکتے۔ لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اس کی باز پرس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس اے نبی تم ان سے اور ان کی افترا پردازی سے علیحدگی اختیار کر لو۔ اللہ خود ان سے نمٹ لے گا۔

وَقَالُوا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی اچھوتی ہے جسے صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم چاہیں۔ یہ سب ان کی اٹکل سے ہے اور کچھ مویشی ایسے بھی ہیں جن کی سواری لینا حرام کر دیا گیا ہے اور کچھ چوپائے ایسے بھی ہیں جن پر نام اللہ یہ لوگ نہیں لیتے۔ صرف اللہ پر افترا پردازی کر کے' ان کی افترا پردازیوں کی سزا اللہ تعالیٰ عنقریب دے گا ○ کہا کرتے تھے کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو ہے' وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے ہی ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے' ہاں اگر وہ مرا ہوا نکلے تو اس میں وہ سب شریک ہیں' ان کی اس غلط بیانی کی سزا انہیں ہوگی' اللہ تعالیٰ حکمت وعلم والا ہے ○

اللہ کا مقرر کردہ راستہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۸) حِجْرٌ کے معنی احرام کے ہیں۔ یہ طریقے شیطانی تھے۔ کوئی اللہ کا مقرر کردہ راستہ نہ تھا۔ اپنے معبودوں کے نام یہ چیزیں کر دیتے تھے۔ پھر جسے چاہتے کھلاتے۔ جیسے فرمان ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ الخ [1] یعنی بتلاؤ تو یہ اللہ کے دیئے رزق میں سے تم جو اپنے طور پر حلال حرام مقرر کر لیتے ہو' اس کا حکم تمہیں اللہ نے دیا ہے یا تم نے خود ہی خود پر تراش لیا ہے؟ دوسری آیت میں صاف فرمایا مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ یہ کافروں کی نادانی' افترا اور جھوٹ ہے۔ بحیرہ سائبہ اور حام نام رکھ کر ان جانوروں کو اپنے معبود باطل کے نام پر داغ دیتے تھے۔ پھر ان سے سواری نہیں لیتے تھے۔ جب ان کے بچے ہوتے تھے تو انہیں ذبح کرتے تھے حج کے لئے بھی ان جانوروں پر سواری کرنا حرام جانتے تھے۔ یہ کسی کام میں ان کو لگاتے تھے نہ ان کا دودھ نکالتے تھے۔ پھر ان کاموں کو شرعی کام قرار دیتے تھے اور اللہ کا فرمان جانتے تھے۔ اللہ انہیں ان کے اس کرتوت کا اور بہتان بازی کا بدلہ دے گا۔

نذر نیاز: ☆☆ (آیت: ۱۳۹) ابن عباسؓ فرماتے ہیں جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جن چوپایوں کو وہ اپنے معبودان باطل کے نام کر دیتے تھے' ان کا دودھ صرف مرد پیتے تھے' جب انہیں بچہ ہوتا تو اگر نر ہوتا تو صرف مرد ہی کھاتے۔ اگر مادہ ہوتا تو اسے ذبح ہی نہ کرتے اور اگر پیٹ ہی سے مردہ نکلتا تو مرد عورت سب کھاتے اللہ نے اس فعل سے بھی روکا۔ شعبیؒ کا قول ہے کہ بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر وہ مر

جاتا تو گوشت مرد عورت سب کھاتے - ان کی ان جھوٹی باتوں کا بدلہ اللہ انہیں دے گا کیونکہ یہ سب ان کا جھوٹ اللہ پر باندھا ہوا تھا' فلاح و نجات اسی لئے ان سے دور کر دی گئی تھی - یہ اپنی مرضی سے کسی کو حلال' کسی کو حرام کر لیتے تھے - پھر اسے رب کی طرف منسوب کر دیتے تھے - اللہ جیسے حکیم کا کوئی فعل' کوئی قول' کوئی شرع' کوئی تقدیر بے حکمت نہیں ہوتی - وہ اپنے بندوں کے خیر و شر سے دانا ہے اور انہیں بدلے دینے والا ہے -

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا
مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ۝۱۴۰ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ ع ۱۶/۱۱
مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ
وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ۝۱۴۱

بیشک وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں ہیں جو جہالت سے اپنی اولادوں کو مار ڈالتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی روزی کو اللہ پر جھوٹ افترا باندھ کر حرام کر لیتے ہیں' یقیناً یہ لوگ بہک گئے اور سیدھے راستے پر آنے والے بھی نہیں ○ اسی نے باغات پیدا کئے ہیں' وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے نہیں جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جدا جدا ذائقہ کی چیزیں' اور زیتون اور انار یکساں بھی اور جداگانہ بھی' ان کے میوے دار ہونے کے بعد تم ان کا میوہ کھاؤ اور اس کی زکوۃ اس کے کاٹنے کے دن ہی ادا کیا کرو اور بے جا نہ اڑاؤ - فضول خرچ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○

اولاد کے قاتل: ☆☆ (آیت:۱۴۰) اولاد کے قاتل اللہ کے حلال کو حرام کرنے والے دونوں جہان کی بربادی اپنے اوپر لینے والے ہیں - دنیا کا گھاٹا تو ظاہر ہے - ان کے یہ دونوں کام خود نقصان پہنچانے والے ہیں بے اولاد یہ ہو جائیں گے - مال کا ایک حصہ ان کا تباہ ہو جائے گا - رہا آخرت کا نقصان سو چونکہ یہ مفتری ہیں' کذاب ہیں' وہاں کی بدترین جگہ انہیں ملے گی' عذابوں کے سزاوار ہوں گے جیسے فرمان ہے اللہ پر جھوٹ باندھنے والے نجات سے محروم' کامیابی سے دور ہیں - یہ دنیا میں گو کچھ فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو ہمارے بس میں آئیں گے - پھر تو ہم انہیں سخت تر عذاب چکھائیں گے کیونکہ یہ کافر تھے - ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر تو اسلام سے پہلے کے عربوں کی بدخصلتی معلوم کرنا چاہے تو سورۂ انعام کی ایکسوتیس آیات کے بعد قد خسر الذین الخ' والی آیت پڑھو[1] (بخاری کتاب مناقب قریش)

مسائل زکوۃ اور عشر مظاہر قدرت: ☆☆ (آیت:۱۴۱) خالق کل اللہ تعالیٰ ہی ہے - کھیتیاں' پھل' چوپائے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں - کافروں کو کوئی حق نہیں کہ حرام حلال کی تقسیم از خود کریں - درخت بعض تو بیل والے ہیں جیسے انگور وغیرہ کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں - بعض کھڑے جو جنگلوں اور پہاڑوں پر کھڑے ہوئے ہیں - دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مگر پھلوں کے ذائقے کے لحاظ سے الگ الگ -

انگور کھجور یہ درخت تمہیں دیتے ہیں کہ تم کھاؤ' مزہ اٹھاؤ' لطف پاؤ- اس کا حق اس کے کٹنے اور ناپ تول ہونے کے دن ہی دو یعنی فرض زکوۃ جو اس میں مقرر ہو وہ ادا کر دو- پہلے لوگ کچھ نہیں دیتے تھے- شریعت نے دسواں حصہ مقرر کیا اور ویسے بھی مسکینوں اور بھوکوں کا خیال رکھنا- چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمان صادر فرمایا تھا کہ جس کی کھجوریں دس وسق سے زیادہ ہوں' وہ چند خوشے مسجد میں لا کر لٹکا دے تاکہ مساکین کھالیں- یہ بھی مراد ہے کہ زکوۃ کے سوا اور کچھ سلوک بھی اپنی کھیتیوں' باڑیوں اور باغات کے پھلوں سے اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتے رہو-

مثلاً پھل توڑنے اور کھیت کاٹنے کے وقت عموماً مفلس لوگ پہنچ جایا کرتے ہیں انہیں کچھ دے دیا کرو- بالیں پک گئی ہیں' پھل گدرا گئے ہوں اور کوئی محتاج شخص نکل آئے تو خاطر تواضع کرو- جس روز کاٹو' کچھ چھوڑ دو تاکہ مسکینوں کے کام آئے- ان کے جانوروں کا چارہ ہو- زکوۃ سے پہلے بھی حقداروں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہا کرو- پہلے تو یہ بطور وجوب تھا لیکن زکوۃ کی فرضیت کے بعد بطور نفل رہ گیا زکوۃ اس میں عشر یا نصف عشر مقرر کر دی گئی لیکن اس سے فسخ نہ سمجھا جائے- پہلے کچھ دینا ہوتا تھا' پھر مقدار مقرر کر دی گئی- زکوۃ کی مقدار سنہ ۲ ہجری میں مقرر ہوئی- واللہ اعلم- کھیتی کاٹتے وقت اور پھل اتارتے وقت صدقہ نہ دینے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان فرمائی- سورۂ کہف میں ان کا قصہ بیان فرمایا کہ ان باغ والوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی آج کے پھل ہم اتار لیں گے اس پر انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا- یہ ابھی رات کو بے خبری کی نیند میں ہی تھے' وہاں آفت ناگہانی آ گئی اور سارا باغ ایسا ہو گیا گویا پھل توڑ لیا گیا ہے بلکہ جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے- یہ صبح کو اٹھ کر ایک دوسرے کو جگا کر پوشیدہ طور سے چپ چاپ چلے کہ ایسا نہ ہو حسب عادت فقیر مسکین جمع ہو جائیں اور انہیں کچھ دینا پڑے- یہ اپنے دلوں میں یہی سوچتے ہوئے کہ ابھی پھل توڑ کر لائیں گے- بڑے اہتمام کے ساتھ صبح سویرے ہی وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارا باغ تو خاک بنا ہوا ہے- اولاً تو کہنے لگے بھئی ہم راستہ بھول گئے- کسی اور جگہ آ گئے- ہمارا باغ تو شام تک لہلہا رہا تھا-

پھر کہنے لگے نہیں باغ تو یہی ہے' ہماری قسمت پھوٹ گئی- ہم محروم ہو گئے- اس وقت ان میں جو باخبر شخص تھا' کہنے لگا' دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ اللہ کا شکر کرو- اس کی پاکیزگی بیان کرو- اب تو سب کے سب کہنے لگے' ہمارا رب پاک ہے' یقیناً ہم نے ظلم' کیا پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہائے ہماری بدبختی کہ ہم سرکش اور حد سے گزر جانے والے بن گئے تھے- ہمیں اب بھی اللہ عزوجل سے امید ہے کہ وہ ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا- ہم اب صرف اپنے رب سے امید رکھتے ہیں- ناشکری کرنے اور تنہا خوری پسند کرنے والوں پر اسی طرح ہمارے عذاب آیا کرتے ہیں- اور بھی آخرت کے بڑے عذاب باقی ہیں لیکن افسوس کہ یہ سمجھ بوجھ اور علم و عقل سے کام ہی نہیں لیتے- یہاں اس آیت میں صدقہ دینے کا حکم فرما کر خاتمے پر فرمایا کہ فضول خرچی سے بچو- فضول خرچ اللہ کا دوست نہیں- اپنی اوقات سے زیادہ نہ لٹا- فخر دریا کے طور پر اپنا مال برباد نہ کرو- حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ نے اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں اتاریں اور عہد کر لیا کہ آج جو لینے آئے گا' میں اسے دوں گا- لوگ ٹوٹ پڑے- شام کو ان کے پاس ایک کھجور بھی نہ رہی- اس پر یہ فرمان اترا- ہر چیز میں اسراف منع ہے- اللہ کے حکم سے تجاوز کر جانے کا نام اسراف ہے خواہ وہ کسی بارے میں ہو- اپنا سارا ہی مال لٹا کر فقیر ہو کر دوسروں پر اپنا انبار ڈال دینا بھی اسراف ہے اور منع ہے- یہ بھی مطلب ہے کہ صدقہ نہ روکو جس سے اللہ کے نافرمان بن جاؤ- یہ بھی اسراف ہے- گو یہ مطلب اس آیت کے ہیں لیکن بہ ظاہر الفاظ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کھانے کا ذکر ہے تو اسراف اپنے کھانے پینے میں کرنے کی ممانعت یہاں ہے کیونکہ اس سے عقل میں اور بدن میں ضرر پہنچتا ہے- قرآن کی اور آیت میں ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو-

صحیح بخاری میں ہے' کھاؤ پیو' پہنو اوڑھو لیکن اسراف اور تکبر سے بچو۔ واللہ اعلم۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۴۲

اسی نے چوپائے پیدا کئے بعض تو بوجھ لادنے والے اور بعض چھوٹے قد کے' اللہ کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے O

(آیت:۱۴۱) اسی اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو بوجھ ڈھونے والے ہیں جیسے اونٹ' گھوڑے' خچر' گدھے وغیرہ اور بعض پستہ قد ہیں جیسے بکری وغیرہ۔ انہیں فرش اس لئے کہا گیا کہ یہ قدروقامت میں پست ہوتے ہیں۔ زمین سے ملے رہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمولہ سے مراد سواری کے جانور اور فرشا سے مراد جن کا دودھ پیا جاتا ہے اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ جو سواری کے قابل نہیں' ان کے بالوں سے لحاف اور فرش تیار ہوتے ہیں۔ یہ قول حضرت سدیؒ کا ہے اور بہت ہی مناسب ہے۔ خود قرآن کی سورۂ یاسین میں موجود ہے کہ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں اور اب یہ ان کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہم نے ہی تو انہیں ان کے بس میں کر دیا ہے کہ بعض سواریاں کر رہے ہیں اور بعض کو یہ کھانے کے کام میں لاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً الخ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں ان چوپایوں کا دودھ پلاتے ہیں اور ان کے بال وغیرہ سے تمہارے اوڑھنے بچھونے اور طرح طرح کے فائدے اٹھانے کی چیزیں بناتے ہیں۔ اور جگہ ہے' اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے جانور پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواریاں کرو۔ انہیں کھاؤ۔ اور بھی فائدے اٹھاؤ۔ ان پر اپنے سفر طے کر کے اپنے کام پورے کرو۔ اسی نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں بنا دیں۔ وہ تمہیں اپنی بے شمار نشانیاں دکھا رہا ہے۔ بتاؤ تو کس کس نشانی کا انکار کرو گے؟

پھر فرماتا ہے اللہ کی روزی کھاؤ۔ پھل' اناج' گوشت وغیرہ۔ شیطانی راہ پر نہ چلو' اس کی تابعداری نہ کرو جیسے کہ مشرکوں نے اللہ کی چیزوں میں از خود حلال حرام کی تقسیم کر دی۔ تم بھی یہ کر کے شیطان کے ساتھی نہ بنو۔ وہ تمہارا دشمن ہے' اسے دوست نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے ساتھ تمہیں بھی اللہ کے عذابوں میں پھنسانا چاہتا ہے۔ دیکھو کہیں اس کے بہکانے میں نہ آ جانا۔ اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو جنت سے باہر نکلوایا۔ اس کھلے دشمن کو بھولے سے بھی اپنا دوست نہ سمجھو۔ اس کی ذریت سے اور اس کے یاروں سے بھی بچو۔ یاد رکھو ظالموں کو برابر بدلہ ملے گا۔ اس مضمون کی اور بھی آیتیں کلام اللہ شریف میں بہت سی ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۴۳ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ
اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾ ع ۱۷

آٹھ نر و مادہ بھیڑ میں دو قسم اور دو قسم بکری میں۔ پوچھ تو کہ کیا دونوں نر حرام ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ میرے سامنے اس کی کوئی سند بیان کرو اگر تم سچے ہو تو ○ اور اونٹوں میں سے دو قسم اور گائے کی دو قسم نر و مادہ۔ پوچھ کہ کیا ان دونوں کے نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے یا مادین کو یا اس بچے کو جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ جس وقت اللہ نے اس کا حکم فرمایا' کیا تم آپ اس وقت موجود تھے؟ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کے ذمہ جھوٹ افترا باندھ کر باوجود بے علمی کے بہکاتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے ○

خود ساختہ حلال و حرام جہالت کا ثمر ہے: ☆☆ (آیت: ۱۴۳-۱۴۴) اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے چوپائے جانوروں میں تقسیم کر کے اپنے طور پر بہت سے حلال بنائے تھے اور بہت سے حرام کر لئے تھے جیسے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ۔ اسی طرح کھیت اور باغات میں بھی تقسیم کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے۔ کھیت ہوں' باغات ہوں' چوپائے ہوں۔ پھر ان چوپایوں کی قسمیں بیان فرمائیں۔ بھیڑ' مینڈھا' بکری' بکرا' اونٹ' اونٹنی' گائے' بیل۔ اللہ نے یہ سب چیزیں تمہارے کھانے پینے سواریاں لینے اور دوسری قسم کے فائدوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ اس نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کئے ہیں۔ بچوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان میں بھی کبھی وہ مردوں کے لئے مخصوص کر کے عورتوں پر حرام کر دیتے تھے۔ پھر ان سے ہی سوال ہوتا ہے کہ آخر اس حرمت کی کوئی' دلیل کوئی کیفیت' کوئی وجہ تو پیش کرو۔ چار قسم کے جانور مادہ اور نر ملا کر آٹھ قسم کے ہو گئے' ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ کیا تم اپنی دیکھی سنی کہہ رہے ہو؟ اس فرمان الٰہی کے وقت تم موجود تھے؟ کیوں جھوٹ کہہ کر افترا پردازی کر کے بغیر علم کے باتیں بنا کر اللہ کی مخلوق کی گمراہی کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر سب سے بڑھ کر ظالم بن رہے ہو؟ اگر یہی حال رہا تو دستور ربانی کے ماتحت ہدایت الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے۔ سب سے پہلے یہ ناپاک رسم عمر بن لحی بن قمعہ خبیث نے نکالی تھی اسی نے انبیاء کے دین کو سب سے پہلے بدلا اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ
يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ
خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٥﴾

کہہ دے کہ میں تو جو وحی میری طرف اتاری گئی ہے' اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر وہ جو مردار ہو' یا بہا ہوا خون' یا سور کا گوشت کہ بیشک وہ حرام و ناپاک ہے یا وہ گناہ کی چیز جو اللہ کے سوا اوروں کے نام پر نامزد کی گئی ہو' پس جو شخص بے بس اور عاجز ہو جائے' نہ تو وہ نافرمان ہو نہ حد سے گذر جانے والا تو بیشک تیرا

پروردگار بخشنے والا مہربان ہے O

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال و حرام: ☆☆ (آیت:۱۴۵) اللہ تعالیٰ عز و جل اپنے بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان کافروں سے جو اللہ کے حلال کو اپنی طرف سے حرام کرتے ہیں' فرما دیں کہ جو وحی الٰہی میرے پاس آئی ہے' اس میں تو حرام صرف ان چیزوں کو کیا گیا ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں' اس میں وہ چیزیں حرمت والی نہیں' جن کی حرمت کو تم رائج کر رہے ہو۔ کسی کھانے والے پر حیوانوں میں سے سوا ان جانوروں کے جو بیان ہوئے ہیں' کوئی بھی حرام نہیں۔ اس آیت کے مفہوم کا رفع کرنے والی سورۂ مائدہ کی آئندہ آیات اور دوسری احادیث ہیں جن میں حرمت کا بیان ہے' وہ بیان کی جائیں گی۔ بعض لوگ اسے نسخ کہتے ہیں اور اکثر متاخرین اسے نسخ نہیں کہتے کیونکہ اس میں تو اصلی مباح کو اٹھا دینا ہے۔ واللہ اعلم۔ خون وہ حرام ہے جو بوقت ذبح بہہ جاتا ہے' رگوں میں اور گوشت میں جو خون مخلوط ہو' وہ حرام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گدھوں اور درندوں کا گوشت اور ہنڈیا کے اوپر جو خون کی سرخی آ جائے' اس میں کوئی حرج نہیں جانتی تھیں۔ عمرو بن دینار نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں حکم بن عمرو تو رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ تلاوت کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے تھے۔ بعض کو بوجہ طبعی کراہیت کے چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا' اپنی کتاب اتاری' حلال و حرام کی تفصیل بیان کر دی' پس جسے حلال کر دیا' وہ حلال ہے اور جسے حرام کر دیا' وہ حرام ہے اور جس سے خاموش رہے وہ معاف ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ کی تلاوت کی۔ حضرت سودہ بنت زمعہ کی بکری مر گئی' جب حضورؐ سے ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟ جواب دیا کہ کیا مردہ بکری کی کھال اتار لینی جائز ہے؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرما کر فرمایا کہ ''اس کا صرف کھانا حرام ہے' لیکن تم اسے دباغت دے کر نفع حاصل کر سکتے ہو چنانچہ انہوں نے آدمی بھیج کر کھال اتروالی اور اس کی مشک بنوائی جو ان کے پاس مدتوں رہی اور کام آئی۔ (بخاری وغیرہ)

حضرت ابن عمرؓ سے قنفذ (یعنی خارپشت جسے اردو میں ساہی بھی کہتے ہیں) کے کھانے کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اس پر ایک بزرگ نے فرمایا' میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تھا تو آپ نے فرمایا' وہ خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے' اسے سن کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا' اگر حضورؐ نے یہ فرمایا ہے تو وہ یقیناً ویسی ہی ہے جیسے آپ نے ارشاد فرما دیا (ابوداؤد وغیرہ)

پھر فرمایا جو شخص ان حرام چیزوں کو کھانے پر مجبور ہو جائے لیکن وہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اسے اس کا کھا لینا جائز ہے' اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے' اس کی کامل تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں تو مشرکوں کے اس فعل کی تردید منظور ہے جو انہوں نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا۔ اب بتا دیا گیا کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے وہ بھی حرام ہوتیں تو ان کا ذکر بھی آ جاتا' پھر تم اپنی طرف سے حلال کیوں مقرر کرتے ہو؟ اس بنا پر پھر اور چیزوں کی حرمت باقی رہتی جیسے کہ گھروں کے پالتو گدھوں کی ممانعت اور درندوں کے گوشت کی اور جنگل والے پرندوں کی جیسے کہ علماء کا مشہور مذہب ہے (یہ یاد رہے کہ ان کی حرمت قطعی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور قرآن نے حدیث کا ماننا بھی فرض کیا ہے۔ مترجم)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

یہودیوں پر خاصۃً ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا' اور گائے بکری کی چربی کو بھی ہم نے حرام کر دیا تھا بجز اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈی سے ملی جلی ہوئی ہو' ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی یہ سزا دی تھی بے شک ہم بالکل سچے ہیں ○

مزید تفصیل متعلقہ حلال وحرام: ☆☆ (آیت:۱۴۶) ناخن دار جانور چوپایوں اور پرندوں میں سے وہ ہیں' جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ' شتر مرغ' بطخ وغیرہ۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جو کھلی انگلیوں والا نہ ہو۔ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ ہر ایک جدا انگلیوں والا اور انہی میں سے مرغ ہے۔ قتادہ کا قول ہے جیسے ''اونٹ' شتر مرغ اور بہت سے پرند' مچھلیاں' بطخ اور اس جیسے جانور جن کی انگلیاں الگ الگ ہیں' ان کا کھانا یہودیوں پر حرام تھا' اسی طرح گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی۔ یہود کا مقولہ تھا کہ اسرائیل نے اسے حرام کر لیا تھا' اس لئے ہم بھی اسے حرام کہتے ہیں۔ ہاں جو چربی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو' انتڑیوں کے ساتھ' اوجھڑی کے ساتھ' ہڈی کے ساتھ ہو' وہ ان پر حلال تھی۔ یہ بھی ان کے ظلم' تکبر اور سرکشی کا بدلہ تھا اور ہماری نافرمانی کا انجام۔ جیسے فرمان ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہودیوں کے ظلم وستم اور راہ حق سے منہ پھیرنے کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دی تھیں اور اس جزا میں ہم عادل ہی تھے اور جیسی خبر ہم نے تجھے اے نبی دی ہے' وہی سچ اور حق ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت اسرائیل نے اسے حرام کیا تھا' اس لئے ہم اسے اپنے آپ پر بھی حرام کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ سمرہ نے شراب فروشی کی ہے تو آپ نے فرمایا' اللہ اسے غارت کرے' کیا یہ نہیں جانتا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے فتح مکہ والے سال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے شراب' مردار' سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام فرمائی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سے چمڑے رنگے جاتے ہیں اور کشتیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور چراغ میں جلایا جاتا ہے' آپؐ نے فرمایا' وہ بھی حرام ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے' جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا شروع کر دی (بخاری ومسلم) ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور تین مرتبہ یہودیوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا! اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی۔ اللہ تعالیٰ جن پر جو چیز حرام کرتا ہے' ان پر اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔ (ابن مردویہ) ایک مرتبہ آپ مسجد حرام میں حطیم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے' آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے اور یہی فرمایا (ابوداؤد' مسند احمد) حضرت اسامہ بن زیدؓ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانے میں آپؐ کی عیادت کے لئے گئے۔ اس وقت آپ عدن کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے' آپ نے چہرہ سے چادر ہٹا کر فرمایا اللہ یہودیوں پر

لعنت کرے کہ بکریوں کی چربی کو حرام مانتے ہوئے اس کی قیمت کھاتے ہیں۔'' ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾

پھر بھی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے لوٹایا نہیں جا سکتا ○

مشرک ہو یا کافر توبہ کر لے تو معاف! ☆☆ (آیت:۱۴۷) ''اب بھی اگر تیرے مخالف یہودی اور مشرک وغیرہ تجھے جھوٹا بتائیں تو پھر بھی تو انہیں میری رحمت سے مایوس نہ کر' بلکہ انہیں رب کی رحمت کی وسعت یاد دلا تا کہ انہیں اللہ کی رضا جوئی کی تبلیغ ہو جائے' ساتھ ہی انہیں اللہ کے اٹل عذابوں سے بچنے کی طرف بھی متوجہ کر' پس رغبت' رہبت' امید' ڈر دونوں ہی ایک ساتھ سنا دے۔ قرآن کریم میں امید کے ساتھ خوف اکثر بیان ہوتا ہے۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا' تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور غفور و رحیم بھی ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْا مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ الخ' تیرا رب لوگوں کے گناہوں پر انہیں بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت تر عذاب کرنے والا بھی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے' میرے بندوں کو میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے بڑے ہی دردناک ہونے کی خبر پہنچا دے۔ اور جگہ ہے وہ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔ نیز کئی آیات میں ہے' کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی بھاری اور نہایت سخت ہے۔ وہی ابتداء کرتا ہے اور وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ وہ غفور ہے ودود ہے' بخشش کرنے والا ہے' مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا
آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا
تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾

ممکن ہے کہ مشرکین یہ حجت بازی بھی کرنے لگیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی حلال چیز کو حرام کرتے' اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ آخر کار ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا' پوچھ تو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے کہ اسے ہمارے سامنے پڑے ہوئے ہو اور نری اٹکلیں دوڑا رہے ہو ○ کہدے کہ اللہ ہی کی حجت تمام اور پوری ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ حق دکھا دیتا ○

غلط سوچ سے باز رہو: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) مشرک لوگ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے شرک کا' حلال کوحرام کرنے کا حال تو اللہ کو معلوم ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اگر چاہے تو اس کے بدلنے پر بھی قادر ہے۔ اس طرح کہ ہمارے دل میں ایمان ڈال دے یا کفر کے کاموں کی ہمیں قدرت ہی نہ دے۔

پھر بھی اگر وہ ہماری اس روش کونہیں بدلتا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے ان کاموں سے خوش ہے' اگر وہ چاہتا تو ہم تو کیا' ہمارے بزرگ بھی شرک نہ کرتے۔ جیسے ان کا یہی قول آیت لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ میں اور سورۂ نحل میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے' اسی شبہ نے ان سے پہلی قوموں کو تباہ کر دیا۔ اگر یہ بات سچ ہوتی تو ان کے پہلے باپ دادا پر ہمارے عذاب کیوں آتے؟ رسولوں کی نافرمانی اور شرک وکفر پر مصر رہنے کی وجہ سے وہ روئے زمین سے ذلت کے ساتھ کیوں ہٹا دیئے جاتے؟ اچھا تمہارے پاس اللہ کی رضامندی کا کوئی سٹرفکیٹ ہو تو پیش کرو۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم وہم پرست ہو' فاسد عقائد پر جمے ہوئے ہو اور اٹکل پچو باتیں اللہ کے ذمے گھڑ لیتے ہو' وہ بھی یہی کہتے تھے۔ تم بھی یہی کہتے ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے ملا دیں' حالانکہ وہ نہ ملانے والے ہیں نہ ان کی انہیں قدرت ہے' ان سے تو اللہ نے سمجھ بوجھ چھین رکھی ہے۔ ہدایت وگمراہی کی تقسیم میں بھی الہ کی حکمت اور اس کی حجت ہے۔ سب کام اس کے ارادے سے ہو رہے ہیں' وہ مومنوں کو پسند فرماتا ہے اور کافروں سے ناخوش ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو راہ حق پر جمع کر دیتا۔ اور آیت میں ہے اگر تیرے رب کی چاہت ہوتی تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا۔ یہ تو اختلاف سے نہیں ہٹیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا رب رحم کرے بلکہ انہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے۔ تیرے رب کی یہ بات حق ہے کہ میں جنات اور انسانوں سے جہنم کو پر کردوں گا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ نافرمانوں کی کوئی حجت اللہ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ کی حجت بندوں پر ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۰ ع ۱۸/۶/۵

کہو کہ ذرا اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو یہ بشارت دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے' پس اگر وہ گواہی بھی دے دیں تو تو ان کے ساتھ مل کر ہاں میں ہاں نہ کہنے لگنا ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی تو ہرگز نہ کرنا جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں' آخرت کا یقین نہیں کرتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں ○

(آیت: ۱۵۰) تم نے خواہ مخواہ اپنی طرف سے جانوروں کو حرام کر رکھا ہے ان کی حرمت پر کسی کی شہادت تو پیش کر دو۔ اگر یہ ایسی شہادت والے لائیں تو تو ان جھوٹے لوگوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانا۔ ان منکرین قیامت' منکرین کلام اللہ کے جھانسے میں کہیں تم بھی نہ آ جانا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

کہدے کہ آؤ تم پر تمہارے رب نے جو کچھ حرام کیا ہے، میں تمہیں وہ پڑھ سناؤں یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تمہیں اور انہیں روزیاں ہم ہی دیتے ہیں اور کسی بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو خواہ وہ پوشیدہ ہو اور جس جان کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، اسے بغیر کسی شرعی وجہ کے قتل نہ کرو، یہ ہیں وہ احکام جن کا حکم اللہ تعالیٰ ہمیں دے رہا ہے تا کہ تم سمجھ بوجھ لو ○

نبی اکرم ﷺ کی وصیتیں: ☆☆ (آیت:۱۵۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو دیکھنا چاہتا ہو جو آپ کی آخری وصیت تھی تو وہ ان آیات کو تتقون تک پڑھے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''سورۂ انعام میں محکم آیا تہیں۔ پھر یہی آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔'' ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص ہے جو میرے ہاتھوں پر ان تین باتوں کی بیعت کرے، پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا جو اسے پورا کرے گا، وہ اللہ سے اجر پائے گا اور جو ان میں سے کسی بات کو پورا نہ کرے گا تو دنیا میں ہی اسے شرعی سزا دے دی جائے گی اور اگر سزا نہ دی گئی تو پھر اس کا معاملہ قیامت پر ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو سزا دے'' (مسند حاکم)

بخاری ومسلم میں ہے ''تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سلام اللہ علیہ سے فرماتا ہے کہ ''ان مشرکین کو جو اللہ کی اولاد کے قائل ہیں، اللہ کے رزق میں سے بعض کو اپنی طرف سے حلال اور بعض کو حرام کہتے ہیں، اللہ کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہیں، کہہ دیجئے کہ سچ مچ جو چیزیں اللہ کی حرام کردہ ہیں، انہیں مجھ سے سن لو جو میں بذریعہ وحی الٰہی بیان کرتا ہوں، تمہاری طرح خواہش نفس، توہم پرستی اور اٹکل وگمان کی بنا پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کی وہ تمہیں وصیت کرتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یہ کلام عرب میں ہوتا ہے کہ ایک جملہ کو حذف کر دیا، پھر دوسرا جملہ ایسا کہہ دیا جس سے حذف شدہ جملہ معلوم ہو جائے۔ اس آیت کے آخری جملے ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ سے اَلَّا تُشْرِكُوْا سے پہلے کے محذوف جملے اوصاکم پر دلالت ہو گئی۔ عرب میں یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں امرتك ان لا تقوم۔ بخاری ومسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا تو میں نے کہا گو اس نے زنا کیا ہو، گو اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں گو اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ میں نے پھر یہی سوال کیا، مجھے پھر یہی جواب ملا، پھر بھی میں نے یہ بات پوچھی، اس مرتبہ جواب دیا کہ گو شراب نوشی بھی کی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ سے موحد کے جنت میں داخل ہونے کا سن کر حضرت ابوذرؓ نے یہ سوال کیا تھا اور آپ نے یہ جواب

دیا تھا اور آخری مرتبہ فرمایا تھا اور ابوذر کی ناک خاک آلود ہو چنانچہ راوی حدیث جب اسے بیان فرماتے تو یہی لفظ دہرا دیتے - سنن میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور میری ذات سے امید رکھے گا' میں بھی تیری خطاؤں کو معاف فرماتا رہوں گا خواہ وہ کیسی ہی ہوں' کوئی پرواہ نہ کروں گا' تو اگر میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر آؤں گا' بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' تو نے اتنی خطائیں کی ہوں کہ وہ آسمان تک پہنچ گئی ہوں' پھر بھی تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا - اس حدیث کی شہادت میں یہ آیت آ سکتی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی مشرک کو تو اللہ مطلق نہ بخشے گا باقی گنہگار اللہ کی مشیت پر ہیں جسے چاہے بخش دے -

صحیح مسلم میں ہے' جو توحید پر مرے' وہ جنتی ہے - اس بارے میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں - ابن مردویہ میں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں' یا تمہیں سولی چڑھا دیا جائے یا تمہیں جلا دیا جائے - ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تم جلا دیئے جاؤ' یا کاٹ دیئے جاؤ' یا سولی دے دیئے جاؤ - اس آیت میں توحید کا حکم دے کر پھر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہوا - بعض کی قرأت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بھی ہے - قرآن کریم میں اکثر یہ دونوں حکم ایک ہی جگہ بیان ہوئے ہیں جیسے اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میں مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی بقدر ضرورت احسان کرنے کا حکم ہوا ہے - اور وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ الخ' میں بھی دونوں حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بھی بہت سی اس مفہوم کی آیات ہیں -

بخاری و مسلم میں ہے' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا' ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنا - میں اگر اور بھی دریافت کرتا تو حضورؐ بتا دیتے - ابن مردویہ میں عبادہ بن صامت اور ابو درداء سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی کہ اپنے والدین کی اطاعت کر اگر چہ وہ تجھے حکم دیں کہ تو ان کے لئے ساری دنیا سے الگ ہو جا تو بھی مان لے - اس کی سند ضعیف ہے - باپ داداؤں کی وصیت کر کے اولاد اور اولاد کی اولاد کی بابت وصیت فرمائی کہ انہیں قتل نہ کرو جیسے کہ شیاطین نے اس کام کو تمہیں سکھا رکھا ہے - لڑکیوں کو تو وہ لوگ بوجہ عار کے مار ڈالتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی بوجہ اس کے کہ ان کے کھانے کا سامان کہاں سے لائیں گے' مار ڈالتے تھے - ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا حالانکہ اسی اکیلے نے پیدا کیا ہے' پوچھا' پھر کونسا گناہ ہے؟ فرمایا' اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ یہ میرے ساتھ کھائے گی' پوچھا پھر کونسا ہے؟ فرمایا' اپنے پڑوس کی عورت سے بدکاری کرنا - پھر حضورؐ نے آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ الخ کی تلاوت فرمائی - اور آیت میں ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو - اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہاری روزی بھی ہمارے ذمہ ہے - یہاں چونکہ فرمایا تھا کہ فقیری کی وجہ سے اولاد کا گلا نہ گھونٹو تو ساتھ ہی فرمایا تمہیں روزی ہم دیں گے اور انہیں بھی ہم ہی دے رہے ہیں -

پھر فرمایا کسی ظاہر اور پوشیدہ برائی کے پاس بھی نہ جاؤ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ الخ یعنی تمام ظاہری' باطنی برائیاں' ظلم و زیادتی' شرک و کفر اور جھوٹ بہتان سب کچھ اللہ نے حرام کر دیا ہے - اس کی پوری تفسیر آیت وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کی تفسیر میں گزر چکی ہے صحیح حدیث میں ہے' اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں - اسی وجہ سے تمام بے

حیائیاں اللہ نے حرام کر دی ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں تو ایک ہی وار میں اس کا فیصلہ کر دوں' جب حضورؐ کے پاس ان کا یہ قول بیان ہوا تو فرمایا کیا تم سعدؓ کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو؟ واللہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے' اسی وجہ سے تمام فحش کام ظاہر و پوشیدہ اس نے حرام کر دیئے ہیں (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضورؐ سے کہا گیا کہ ہم غیرت مند لوگ ہیں' آپ نے فرمایا واللہ میں بھی غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے' یہ غیرت ہی ہے جو اس نے تمام بری باتوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس حدیث کی سند ترمذی کی شرط پر ہے۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہیں۔ اس کے بعد کسی کے ناحق قتل کی حرمت کو بیان فرمایا گو وہ بھی فواحش میں داخل ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے الگ کر کے بیان فرما دیا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جو مسلمان اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرتا ہو' اسے قتل کرنا بجز تین باتوں کے جائز نہیں۔ یا تو شادی شدہ ہو کر پھر زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے' یا دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔ مسلم میں ہے اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی میں تیسرا شخص وہ بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے نکل جائے اور اللہ کے رسولوں سے جنگ کرنے لگے' اسے قتل کر دیا جائے گا یا صلیب پر چڑھا دیا جائے گا یا' مسلمانوں کے ملک سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جبکہ باغی آپ کو محاصرے میں لئے ہوئے تھے' فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' کسی مسلمان کا خون بجز ان تین کے حلال نہیں' ایک تو اسلام کے بعد کافر ہو جانے والا' دوسرا شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا اور تیسرا بغیر قصاص کے کسی کو قتل کر دینے والا۔ اللہ کی قسم نہ تو میں نے جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام لانے کے بعد' اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی میں نے کسی اور دین کی تمنا کی اور نہ میں نے کسی کو بلاوجہ قتل کیا' پھر تم میرا خون بہانے کے درپے کیوں ہو؟ حربی کافروں میں جو امن طلب کرے اور مسلمانوں کے معاہدہ امن میں آ جائے' اس کے قتل کرنے والے کے حق میں بھی بہت وعید آئی ہے اور اس کا قتل بھی شرعاً حرام ہے۔ بخاری میں ہے' معاہدہ امن کا قاتل جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے راستے تک پہنچ جاتی ہے۔ اور روایت میں ہے کیونکہ اس نے اللہ کا ذمہ توڑا' اس میں ہے کہ پچاس برس کے راستے کے فاصلے سے ہی جنت کی خوشبو پہنچی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں اللہ کی وصیتیں اور اس کے احکام تاکہ تم دین حق کو' اس کے احکام کو اور اس کی منع کردہ باتوں کو سمجھ لو۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى
يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طور پر کہ اس کے حق میں بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو' ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے' اور جب بولو انصاف کا پاس رکھو اگرچہ کسی قرابت دار کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے ساتھ جو عہد ہوا ہے'

اسے پورا نباہ دو' یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم اللہ تمہیں دے رہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید: ☆☆ (آیت:۱۵۲) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ جب آیت وَلَا تَقْرَبُوْا اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا نازل ہوئیں تو اصحاب رسولؐ نے یتیموں کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے بالکل الگ تھلگ کر دیا- اس میں علاوہ ان لوگوں کے نقصان اور محنت کے یتیموں کا نقصان بھی ہونے لگا' اگر بچ رہا تو یا تو وہ باسی کھائیں یا سڑ کر خراب ہو جائے- جب حضورؐ سے اس کا ذکر ہوا تو آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى الخ نازل ہوئی کہ ان کے لئے خیر خواہی کرو ان کا کھانا پینا ساتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں' وہ تمہارے بھائی ہیں- اسے پڑھ کر سن کر صحابہؓ نے ان کا کھانا اپنے ساتھ ملا لیا- یہ حکم ان کے سن بلوغ تک پہنچنے تک ہے گو بعض نے تیس سال بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال کہے ہیں لیکن یہ سب قول یہاں مناسب نہیں- واللہ اعلم-

پھر حکم فرمایا کہ لین دین اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو- ان کے لئے ہلاکت ہے جو لیتے وقت پورا لیں اور دیتے وقت کم دیں- ان امتوں کو اللہ نے غارت کر دیا جن میں یہ بدخصلت تھی- جامع ترمذی میں ہے کہ حضورؐ نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا تم ایک ایسی چیز کے والی بنائے گئے ہو جس کی صحیح نگرانی نہ رکھنے والے تباہ ہو گئے- پھر فرماتا ہے کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہم نہیں لادتے یعنی اگر کسی شخص نے اپنی طاقت بھر کوشش کر لی دوسرے کا حق دے دیا' اپنے حق سے زیادہ نہ لیا' پھر بھی نادانستہ طور پر غلطی سے کوئی بات رہ گئی ہو تو اللہ کے ہاں اس کی پکڑ نہیں- ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آیت کے یہ دونوں جملے تلاوت کر کے فرمایا کہ جس نے صحیح نیت سے وزن کیا' تولا' پھر بھی اس میں کوئی کمی' زیادتی' بھول چوک سے ہو گئی تو اس کا مواخذہ نہ ہو گا-'' یہ حدیث مرسل اور غریب ہے-

پھر فرماتا ہے' بات انصاف کی کہا کرو اگرچہ قرابت داری کے معاملے میں ہی کچھ کہنا پڑے-'' جیسے فرمان ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ اور سورۂ نساء میں بھی یہی حکم دیا کہ ہر شخص کو ہر حال میں سچائی اور انصاف نہ چھوڑنا چاہئے- جھوٹی گواہی اور غلط فیصلے سے بچنا چاہئے' اللہ کے عہد کو پورا کرو' اس کے احکام بجا لاؤ' اس کی منع کردہ چیزوں سے الگ رہو' اس کی کتاب' اس کے رسولؐ کی سنت پر چلتے رہو' یہی اس کے عہد کو پورا کرنا ہے' انہی چیزوں کے بارے میں اللہ کا تاکیدی حکم ہے' یہی فرمان تمہارے لئے وعظ و نصیحت کا ذریعہ ہیں تاکہ تم جو اس سے پہلے نکمے بلکہ برے کاموں میں تھے' اب ان سے الگ ہو جاؤ- بعض کی قرأت میں تَذَكَّرُوْنَ بھی ہے-

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہ کہ میری سیدھی راہ یہی ہے' تم سب اسی پر چلے جاؤ' اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا کہ وہ تمہیں راہ اللہ سے جدا کر دیں گے' تمہیں جناب باری یہ تاکیدی حکم فرما رہا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ○

شیطانی راہیں فرقہ سازی: ☆☆ (آیت:۱۵۳) یہ اور ان جیسی آیات کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو باہم اعتماد کا حکم دیتا ہے اور اختلاف و فرقہ بندی سے روکتا ہے اس لئے کہ اگلے لوگ اللہ کے دین میں پھوٹ ڈالنے ہی سے تباہ ہوئے تھے- مسند میں ہے کہ اللہ کے نبیؐ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا' اللہ کی سیدھی راہ یہی ہے- پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا' ان تمام راہوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے- پھر آپ نے اس آیت کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا- اسی حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جو مسند وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے اپنے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا' یہ اللہ

تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں دو دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ شیطانی راہیں ہیں اور بیچ کی لکیر پر انگلی رکھ کر اس آیت کی تلاوت فرمائی - ابن ماجہ میں اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے- ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا صراط مستقیم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر ہم نے اپنے نبی ﷺ کو چھوڑا' اسی کا دوسرا سرا جنت میں جا ملتا ہے- اس کے دائیں بائیں بہت سی اور راہیں ہیں جن پر لوگ چل رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بلا رہے ہیں- جو ان راہوں میں سے کسی راہ پر ہولیا' وہ جہنم میں پہنچا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی- حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی - اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں جن میں بہت سے دروازے ہیں اور سب چوپٹ کھلے پڑے ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں- اس سیدھی راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا ہیجو پکارتا رہتا ہے کہ لوگو تم سب اس صراط مستقیم پر آ جاؤ' راستے میں بکھر نہ جاؤ' بیچ راہ کے بھی ایک شخص ہے- جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار اسے نہ کھول' کھولو گے تو سیدھی راہ سے دور نکل جاؤ گے- پس سیدھی راہ اسلام ہے اور دونوں دیواریں اللہ کی حدود ہیں- کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں' نمایاں شخص اللہ کی کتاب ہے- اوپر سے پکارنے والا اللہ کی طرف کا نصیحت کرنے والا ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے (ترمذی) اس نکتے کو نہ بھولنا چاہیے کہ اپنی راہ کے لئے سبیل واحد کا لفظ بولا گیا اور گمراہی کی راہوں کے لئے سبل جمع کا لفظ استعمال کیا گیا اس لئے کہ راہ حق ایک ہی ہوتی ہے اور ناحق کے بہت سے طریقے ہوا کرتے ہیں جیسے آیت اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں ظُلُمٰتِ کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے- حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قُلْ تَعَالَوْا سے تین آیات تک تلاوت کر کے فرمایا' تم میں سے کون کون ان باتوں پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟ پھر فرمایا' جس نے اس بیعت کو اپنا لیا' اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ان میں سے کسی بات کو توڑ دیا' اس کی دو صورتیں ہیں' یا تو دنیا میں ہی اس کی سزا شرعی اسے مل جائے گی' یا اللہ تعالیٰ آخرت تک اسے مہلت دے دے گا' پھر رب کی مشیت پر منحصر ہے اگر چاہے سزا دے' اگر چاہے تو معاف فرما دے-

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۹

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت فرمائی جس سے نیک کاروں پر نعمت پوری ہو' اس میں تمام احکام کی تفصیل ہے اور ہدایت و مہربانی ہے تا کہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ○ اور اس بابرکت کتاب کو بھی ہم نے نازل فرمایا ہے پس تم اس کی حکم برداری کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

جنوں نے قرآن حکیم سنا: ☆☆ (آیت: ۱۵۴-۱۵۵) امام ابن جریر نے تو لفظ ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مانا ہے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دے اور ہماری طرف سے یہ خبر بھی پہنچا دے لیکن میں کہتا ہوں ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مان کر خبر کا خبر پر عطف کر دیں تو کیا حرج ہے؟ کیونکہ ایسا ہوتا ہے اور شعروں میں بھی موجود ہے- چونکہ قرآن کریم کی مدح اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا میں گذری تھی' اس لئے اس پر عطف ڈال کر توراۃ کی مدح بیان کر دی- جیسے کہ اور بھی بہت سی آیات میں ہے- چنانچہ فرمان ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا یعنی اس سے پہلے توراۃ امام رحمت تھی اور اب یہ قرآن عربی تصدیق کرنے والا ہے- اسی سورت کے اول میں

ہے قل من انزل الکتاب الذی الخ‘ اس آیت میں بھی تورات کے بیان کے بعد اس قرآن کا بیان ہے-

کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے فَلَمَّا جَآءَ هُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا الخ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے‘ اسے اس جیسا کیوں نہ ملا جو موسیٰ کو ملا تھا جس کے جواب میں فرمایا گیا‘ کیا انہوں نے موسیٰ کی اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟ کیا صاف طور سے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں- جنوں کا قول بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا‘ ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتری ہے‘ جو اپنے سے اگلی کتابوں کو سچا کہتی ہے اور راہ حق کی ہدایت کرتی ہے‘ وہ کتاب جامع اور کامل تھی- شریعت کی جن باتوں کی اس وقت ضرورت تھی‘ سب اس میں موجود تھیں‘ یہ احسان تھا نیک کاروں کی نیکیوں کے بدلے کا- جیسے فرمان ہے احسان کا بدلہ احسان ہی ہے- اور جیسے فرمان ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو ہم نے ان کا امام بنا دیا جبکہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھا- غرض یہ بھی اللہ کا فضل تھا اور نیکوں کی نیکیوں کا صلہ- احسان کرنے والوں پر اللہ بھی احسان پورا کرتا ہے یہاں بھی اور وہاں بھی- امام ابن جریر الذی کو مصدر یہ مانتے ہیں جیسے خُضْتُمْ كَالَّذِىْ خَاضُوْا میں ہے- ابن رواحہؓ کا شعر ہے

وثبت اللّٰه ما اتاك من حسن   فی المرسلین و نصر کالذی نصروا

اللہ تیری اچھائیاں بڑھائے اور اگلے نبیوں کی طرح تیری بھی مدد فرمائے- بعض کہتے ہیں یہاں الذی معنی میں الذین کے ہے عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات لما ما علی الذین احسنوا ہے- پس مومنوں اور نیک لوگوں پر اللہ کا یہ احسان ہے اور پورا احسان ہے- بغوی کہتے ہیں‘ مراد اس سے انبیاء اور عام مومن ہیں- یعنی ان سب پر ہم نے اس کی فضیلت ظاہر کی- جیسے فرمان ہے يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ الخ‘ یعنی اے موسیٰ میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تجھے لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی- ہاں حضرت موسیٰ کی اس بزرگی سے حضرت محمد ﷺ جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جو خلیل اللہ ہیں‘ مستثنیٰ ہیں بہ سبب ان دلائل کے جو وارد ہو چکے ہیں- یحییٰ بن یعمرؒ احسن ھو کو مخذوف مان کر احسن پڑھتے تھے- ہو سکتا ہے؟ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں‘ میں اس قرات کو جائز نہیں رکھوں گا اگرچہ عربیت کی بنا پر اس میں نقصان نہیں- آیت کے اس جملے کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ پر احسان رب کو تمام کرنے کے لئے یہ اللہ کی کتاب ان پر نازل ہوئی- ان دونوں کے مطلب میں کوئی تفاوت نہیں-

پھر تورات کی تعریف بیان فرمائی کہ اس میں ہر حکم بہ تفصیل ہے اور وہ ہدایت و رحمت ہے تاکہ لوگ قیامت کے دن اپنے رب سے ملنے کا یقین کر لیں- پھر قرآن کریم کی اتباع کی رغبت دلاتا ہے‘ اس میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حکم دیتا ہے- برکت سے اس کا وصف بیان فرماتا ہے کہ جو بھی اس پر کاربند ہو جائے‘ وہ دونوں جہان کی برکتیں حاصل کرے گا اس لئے کہ یہ اللہ کی طرف مضبوط رسی ہے-

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا
وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ
اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

اللّٰہِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

اس لئے کہ کبھی کہنے لگو کتاب اللہ تو ہم سے پہلے کی دو جماعتوں کی طرف ہی نازل کی گئی اور ہم تو ان کی تلاوت سے بے خبر ہی رہے ○ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب اتاری جاتی تو ہم تو اس سے بہت ہی زیادہ راہ یافتہ بن جاتے' اچھا اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت و دلیل اور ہدایت و رحمت آ پہنچی' پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کو جھوٹی بتلائے اور ان سے کترا جائے' ہم بھی ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے کتراتے رہتے ہیں' برے عذابوں کی سزا دیں گے' جو بدلا ہوگا ان کے کترانے کا ○

لاف زنی عیب ہے۔ دوسروں کو نیکی سے روکنے والے بدترین ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۵۶-۱۵۷) فرماتا ہے کہ اس آخری کتاب نے تمہارے تمام عذر ختم کر دیئے جیسے فرمان ہے وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ الخ یعنی اگر انہیں ان کی بدعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو کہہ دیتے کہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے فرمان کو مانتے۔ اگلی دو جماعتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اگر یہ عربی زبان کا قرآن نہ اترتا تو وہ یہ عذر کر دیتے کہ ہم پر تو ہماری زبان میں کوئی کتاب نہیں اتری' ہم اللہ کے فرمان سے بالکل غافل رہے پھر ہمیں سزا کیوں ہو؟ نہ یہ عذر باقی رہا اور نہ یہ کہ اگر ہم پر آسان کتاب اترتی تو ہم تو اگلوں سے آگے نکل جاتے اور خوب نیکیاں کرتے۔ جیسے فرمان ہے وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ الخ' یعنی موکد قسمیں کھا کھا کر لاف زنی کرتے تھے کہ ہم میں اگر کوئی نبی آ جائے تو ہم ہدایت کو مان لیں۔

اللہ فرماتا ہے اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ہدایت و رحمت بھرا قرآن بزبان رسول عربی آ چکا جس میں حلال و حرام کا بخوبی بیان ہے اور دلوں کی ہدایت کی کافی نورانیت اور رب کی طرف سے ایمان والوں کے لئے سراسر رحمت و رحم ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جس کے پاس اللہ کی آیات آ جائیں اور وہ انہیں جھٹلائے' ان سے فائدہ نہ اٹھائے' نہ عمل کرے' نہ یقین لائے' نہ نیکی کرے' نہ بدی چھوڑے' نہ خود مانے' نہ اوروں کو ماننے دے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ اسی سورت کے شروع میں فرمایا ہے وَهُمۡ یَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَیَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ خود اس کے مخالف اوروں کو بھی اسے ماننے سے روکتے ہیں دراصل اپنا ہی بگاڑتے ہیں جیسے فرمایا اَلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ الخ' یعنی جو لوگ خود کفر کرتے ہیں اور راہ الٰہی سے روکتے ہیں' انہیں ہم عذاب بڑھاتے رہیں گے۔ پس یہ لوگ ہیں جو نہ مانتے تھے اور نہ فرماں بردار ہوتے تھے۔ جیسے فرمان ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰكِنۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی یعنی نہ تو مانا' نہ نماز پڑھی بلکہ نہ مان کر منہ پھیر لیا۔ ان دونوں تفسیروں میں پہلی بہت اچھی ہے یعنی خود بھی انکار کیا اور دوسروں کو بھی انکار پر آمادہ کیا۔

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ یَاۡتِیَ رَبُّكَ اَوۡ یَاۡتِیَ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ كَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا ؕ قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

کیا یہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ یا تیرا رب آئے؟ یا تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں؟ جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی شخص کو جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا' اس کا ایمان مطلق فائدہ نہ دے گا' نہ اسے جس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکیاں نہ کی ہوں' کہہ دے کہ اچھا منتظر رہو' ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○

قیامت اور بے بسی: ☆☆ (آیت: ۱۵۸) اللہ تعالیٰ کافروں کو اور پیغمبروں کے مخالفوں کو اور اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اور اپنی راہ سے روکنے والوں کو ڈرا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت کا انتظار ہے؟ جبکہ فرشتے بھی آئیں گے اور خود اللہ قہار بھی۔ وہ بھی وقت ہو گا جب ایمان بھی بے سود اور توبہ بھی بیکار۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے' جب یہ نشان ظاہر ہو جائے گا تو زمین پر جتنے لوگ ہوں گے' سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہے' پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور حدیث میں ہے' جب قیامت کی تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں تو بے ایمان کو ایمان لانا' خیر سے رکے ہوئے لوگوں کو اس کے بعد نیکی یا توبہ کرنا کچھ سودمند نہ ہو گا۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دجال کا آنا دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ ایک اور روایت میں اس کے ساتھ ہی ایک دھویں کے آنے کا بھی بیان ہے۔ اور حدیث میں ہے' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پیشتر جو توبہ کرے اس کی توبہ مقبول ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا' جانتے ہو یہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں' فرمایا' عرش کے قریب جا کر سجدے میں پڑتا ہے اور ٹھہرا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اجازت ملے اور کہا جائے لوٹ جا' قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' یہی وہ وقت ہو گا کہ ایمان لانا بے نفع ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ لوگ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کر رہے تھے' اتنے میں حضورؐ بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے' قیامت قائم نہ ہو گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' دھواں' دابۃ الارض' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا آنا اور دجال کا نکلنا' مشرق مغرب اور جزیرہ عرب میں تین جگہ زمین کا دھنس جانا اور عدن کے درمیان سے ایک زبردست آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کے لے جائے گی' رات دن ان کے پیچھے ہی پیچھے رہے گی (مسلم وغیرہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا نشان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' وہ رات بہت لمبی ہو جائے گی بقدر دو راتوں کے' لوگ معمول کے مطابق اپنے کام کاج میں ہوں گے اور تہجد گذاری میں بھی۔ ستارے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے' پھر لوگ سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے' کام میں لگیں گے' پھر سوئیں گے' پھر اٹھیں گے لیکن دیکھیں گے کہ نہ ستارے ہٹے ہیں نہ سورج نکلا ہے' کروٹیں دکھنے لگیں گی لیکن صبح نہ ہو گی اب تو گھبرا جائیں گے اور دہشت زدہ ہو جائیں گے' منتظر ہوں گے کہ کب سورج نکلے' مشرق کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوں گے کہ اچانک مغرب کی طرف سے سورج نکل آئے گا اس وقت تو تمام روئے زمین کے انسان مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس وقت ایمان محض بے سود ہو گا۔ (ابن مردویہ) ایک حدیث میں حضورؐ کا اس آیت کے اس جملے کو تلاوت فرما کر اس کی تفسیر میں سورج کا مغرب سے نکلنا فرمانا بھی ہے۔

ایک روایت میں ہے سب سے پہلی نشانی یہی ہو گی۔ اور حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک بڑا دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض (چوڑائی) ستر سال (کی مسافت) ہے' یہ توبہ کا دروازہ ہے۔ یہ بند نہ ہو گا جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے۔ اور حدیث میں ہے' لوگوں پر ایک رات آئے گی جو تین راتوں کے برابر ہو گی' اسے تہجد گزار جان لیں گے' یہ کھڑے ہوں گے ایک معمول کے مطابق تہجد

پڑھ کر سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے اپنا معمول ادا کر کے پھر لیٹیں گے۔ لوگ اس لمبائی سے گھبرا کر چیخ و پکار شروع کر دیں گے اور دوڑے بھاگے مسجدوں کی طرف جائیں گے کہ ناگہاں دیکھیں گے کہ سورج طلوع ہو گیا یہاں تک کہ وسط آسمان میں پہنچ کر پھر لوٹ جائے گا اور اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے طلوع ہو گا۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت ایمان سودمند نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ تین مسلمان شخص مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' مروان ان سے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلی نشانی دجال کا خروج ہے۔ یہ سن کر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس گئے اور یہ بیان کیا' آپ نے فرمایا' اس نے کچھ نہیں کہا' مجھے حضورؐ کا فرمان خوب محفوظ ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے۔ اور دابۃ الارض کا دن چڑھے ظاہر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہو' اسی کے بعد دوسری ظاہر ہو گی۔ حضرت عبداللہ کتاب پڑھتے جاتے تھے۔ فرمایا میرا خیال ہے کہ پہلے سورج کا نشان ظاہر ہو گا' وہ غروب ہوتے ہی عرش تلے جاتا ہے اور سجدہ کر کے اجازت مانگتا ہے' اجازت مل جاتی ہے' جب مشیت الٰہی سے مغرب سے ہی نکلنا ہو گا تو اس کی بار بار کی اجازت طلبی پر بھی جواب نہ ملے گا۔ رات کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو گا اور یہ سمجھ لے گا کہ اب اگر اجازت ملی بھی تو مشرق میں نہیں پہنچ سکتا۔ تو کہے گا کہ یا اللہ دنیا کو سخت تکلیف ہو گی تو اس سے کہا جائے گا' یہیں سے طلوع ہو چنانچہ وہ مغرب سے ہی نکل آئے گا' پھر حضرت عبداللہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

طبرانی میں ہے کہ جب سورج مغرب سے نکلے گا' ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور زور زور سے کہے گا' الٰہی مجھے حکم کر میں مانوں گا' جسے تو فرمائے میں سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوں اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہائے وائے کیسی ہے؟ وہ کہے گا' مجھے یہیں تک ڈھیل دی گئی تھی۔ اب وہ آخری وقت آ گیا' پھر صفا کی پہاڑی کے غار سے دابۃ الارض نکلے گا' اس کا پہلا قدم انطاکیہ میں پڑے گا' وہ ابلیس کے پاس پہنچے گا اور اسے تھپڑ مارے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کی سند بالکل ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کتابوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے لی ہو جن کے دو تھیلے انہیں یرموک کی لڑائی والے دن ملے تھے۔ اس کا فرمان رسول ہونا ناقابل تسلیم ہے۔ اللہ اعلم۔

حضورؐ فرماتے ہیں' ہجرت منقطع نہ ہو گی جب تک کہ دشمن برسر پیکار رہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو گناہوں کو چھوڑنا دوسرے اللہ اور اس کے رسول کے پاس ترک وطن کر کے جانا۔ یہ بھی باقی رہے گی جب تک کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے' سورج کے مغرب سے نکلتے ہی پھر جو کچھ جس دل میں ہے' اسی پر مہر لگ جائے گی' اور اعمال بے سود ہو جائیں گے۔ ابن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ بہت سے نشانات گزر چکے ہیں صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ سورج کا نکلنا' دجال دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا آنا۔ جس علامت کے ساتھ اعمال ختم ہو جائیں گے' وہ مغرب سے سورج کا طلوع ہونا ہے۔ ایک طویل مرفوع غریب منکر حدیث میں ہے کہ اس دن سورج چاند ملے جلے طلوع ہوں گے۔ آدھے آسمان سے واپس چلے جائیں گے پھر حسب عادت ہو جائیں گے۔ اس حدیث کا تو مرفوع ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں ابن عباسؓ یا وہب بن منبہؒ پر موقوف ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے موضوع کی گنتی سے نکل جائے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' قیامت کی پہلی نشانی کے ساتھ ہی اعمال کا خاتمہ ہے۔ اس دن کسی کافر کا مسلمان ہونا بے سود ہو گا۔ ہاں مومن جو اس سے پہلے نیک اعمال والا ہو گا' وہ بہتری میں رہے گا' اور جو نیک عمل نہ ہو گا' اس کی توبہ بھی اس وقت مقبول نہ ہو گی جیسے کہ پہلے احادیث گذر چکی ہیں۔ برے لوگوں کے نیک اعمال بھی اس نشان عظیم کو دیکھ لینے کے بعد کام نہ آئیں گے۔ پھر کافروں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اچھا تم انتظار میں ہی رہو تا آنکہ توبہ کے اور ایمان کے قبول نہ ہونے کا وقت آ جائے۔ اور

قیامت کے زبردست آثار ظاہر ہو جائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ الخ قیامت کے اچانک آ جانے کا ہی انتظار ہے۔ اس کی بھی علامات ظاہر ہو چکی ہیں اس کے آ چکنے کے بعد نصیحت کا وقت کہاں؟ اور آیت میں فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ہمارے عذابوں کا مشاہدہ کر لینے کے بعد کا ایمان اور شرک سے انکار بے سود ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۚ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے، تجھے ان سے کوئی سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہی انہیں اس کے بعد ان کے کرتوت سے باخبر کر دے گا ○

اہل بدعت گمراہ ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۵۹) مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اتری ہے۔ یہ لوگ حضورؐ کی نبوت سے پہلے سخت اختلافات میں تھے جن کی خبر یہاں دی جا رہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شیٔ تک اس آیت کی تلاوت فرما کر حضورؐ نے فرمایا، وہ بھی تجھ سے کوئی میل نہیں رکھتے۔ اس امت کے اہل بدعت شک شبہ والے اور گمراہی والے ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی ممکن ہے، یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہو۔ ابوامامہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ یہ بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ ایک اور غریب حدیث میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، مراد اس سے اہل بدعت ہے، اس کا بھی مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بات یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ جو بھی اللہ رسول کے دین کی مخالفت کرے اور اس میں پھوٹ اور افتراق پیدا کرے، گمراہی کی اور خواہش پرستی کی پیروی کرے، نیا دین اختیار کرے، نیا مذہب قبول کرے، وہی وعید میں داخل ہے کیونکہ حضورؐ جس حق کو لے کر آئے ہیں، وہ ایک ہی ہے، کئی ایک نہیں، اللہ نے اپنے رسولؐ کو فرقہ بندی سے بچایا ہے اور آپ کے دین کو بھی اس لعنت، سے محفوظ رکھا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری آیت شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ الخ ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ ہم جماعت انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ پس صراط مستقیم اور دین پسندیدہ اللہ کی توحید اور رسولوں کی اتباع ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ ضلالت، جہالت رائے، خواہش اور بد دینی ہے اور رسولؐ اس سے بیزار ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہی انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کرے گا جیسے اور آیت میں ہے کہ مومنوں، یہودیوں، صابیوں اور نصرانیوں میں مجوسیوں میں مشرکوں میں اللہ خود قیامت کے دن فیصلے کر دے گا اس کے بعد اپنے احسان، حکم اور عدل کا بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

نیکی لانے والے کو دس گنا بدلہ ہے اور برائی لے کر آنے والا برابر برابر ہی بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا ○

نیکی کا دس گنا ثواب اور غلطی کی سزا برابر برابر: ☆☆ (آیت: ۱۶۰) ایک اور آیت میں مجملاً یہ آیا ہے کہ فله خير منها جو نیکی لائے، اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے۔ اسی آیت کے مطابق بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ ایک میں ہے تمہارا رب عزوجل بہت بڑا رحیم ہے۔ نیکی کے صرف قصد پر نیکی کے کرنے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے اور ایک نیکی کے کرنے پر دس سے ساٹھ تک بڑھا دیتا ہے

اور بھی بہت زیادہ اور بہت زیادہ - اور اگر برائی کا قصد ہوا' پھر نہ کر سکا تو بھی نیکی ملتی ہے اور اگر اس برائی کو کر گزرا تو ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اللہ معاف ہی فرما دے اور بالکل ہی مٹا دے - سچ تو یہ ہے کہ ہلاکت والے ہی اللہ کے ہاں ہلاک ہوتے ہیں - (بخاری' مسلم' نسائی وغیرہ)

ایک حدیث قدسی میں ہے' نیکی کرنے والے کو دس گنا ثواب ہے اور پھر بھی میں زیادہ کر دیتا ہوں اور برائی کرنے والے کو اکہرا عذاب ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں - زمین بھر تک جو شخص خطائیں لے آئے اگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا تو میں اتنی ہی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں - جو میری طرف بالشت بھر آئے' میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ہاتھ بھر آئے' میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلتا ہوا آئے' میں اس کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہوں (مسلم مسند وغیرہ) اس سے پہلے گزری ہوئی حدیث کی طرح ایک اور حدیث بھی ہے' اس میں فرمایا ہے کہ برائی کا ارادہ کر کے پھر اسے چھوڑ دینے والے کو بھی نیکی ملتی ہے - اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ڈر سے چھوڑ دے چنانچہ بعض روایات میں تشریح آ بھی چکی ہے - دوسری صورت چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ اسے یاد ہی نہ آئے - بھول بسر جائے تو اسے نہ ثواب ہے نہ عذاب کیونکہ اس نے اللہ سے ڈر کر نیک نیتی سے اسے ترک نہیں کیا - اور اگر بدنیتی سے اس نے کوشش بھی کی' اسے پوری طرح کرنا بھی چاہا لیکن عاجز ہو گیا' کر نہ سکا موقعہ ہی نہ ملا' اسباب ہی نہ بنے' تھک کر بیٹھ گیا' تو ایسے شخص کو اس برائی کے کرنے کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے - چنانچہ حدیث میں ہے جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے جنگ کریں تو جو مار ڈالے اور جو مار ڈالا جائے دونوں جہنمی ہیں' لوگوں نے کہا مار ڈالنے والا تو خیر' لیکن جو مارا گیا وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا' اس لئے کہ وہ بھی دوسرے کو مار ڈالنے کا آرزومند تھا اور حدیث میں ہے' حضور فرماتے ہیں' نیکی کے محض ارادے پر نیکی لکھ لی جاتی ہے اور عمل میں لانے کے بعد دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں - برائی کے محض ارادے کو لکھا نہیں جاتا' اگر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو نیکی لکھی جاتی ہے -

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے گناہ کے کام کو میرے خوف سے ترک کر دیا - حضور فرماتے ہیں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اور اعمال کی چھ قسمیں ہیں - بعض لوگ تو وہ ہیں جنہیں دنیا اور آخرت میں وسعت اور کشادگی دی جاتی ہے - بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں کشادگی ہوتی ہے اور آخرت میں تنگی - بعض وہ ہیں' جن پر دنیا میں تنگی رہتی ہے اور آخرت میں کشادگی ملے گی - بعض وہ ہیں جو دونوں جہان میں بدبخت رہتے ہیں' یہاں بھی وہاں بھی بے آبرو - اعمال کی چھ قسمیں تو ثواب واجب کر دینے والی ہیں - ایک برابر کا' ایک دس گنا اور ایک سات سو گنا - واجب کر دینے والی دو چیزیں وہ یہ ہیں' جو شخص اسلام و ایمان پر مرے' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' اس کے لئے جنت واجب ہے - اور جو کفر پر مرے اس کے لئے جہنم واجب ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے گو کی نہ ہو' اسے ایک نیکی ملتی ہے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل نے اسے سمجھا اس کی حرص کی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے' اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا اور جو کر گزرے اسے ایک ہی گناہ ہوتا ہے اور وہ بڑھتا نہیں ہے اور جو نیکی کا کام کرے' اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو راہ اللہ عزوجل میں خرچ کرے اسے سات سو گنا ملتا ہے (ترمذی)

فرمان ہے کہ جمعہ میں آنے والے لوگ تین طرح کے ہیں - ایک وہ جو وہاں لغو کرتا ہے' اس کے حصے میں تو وہی لغو ہے' ایک دعا کرتا ہے - اسے اگر اللہ چاہے دے' چاہے نہ دے - تیسرا وہ شخص ہے جو سکوت اور خاموشی کے ساتھ خطبے میں بیٹھتا ہے' کسی مسلمان کی گردن پھلانگ کر مسجد میں آگے نہیں بڑھتا نہ کسی کو ایذا دیتا ہے' اس کا جمعہ اگلے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بلکہ اور تین دن تک کے گناہوں کا

بھی اس لئے کہ وعدہ الٰہی میں ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر ملتا ہے۔

طبرانی میں ہے جمعہ جمعہ تک بلکہ اور تین دن تک کفارہ ہے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے نیکی کرنے والے کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص ہر مہینے میں تین روزے رکھے اسے سال بھر کے روزوں کا یعنی تمام عمر سارا زمانہ روزے سے رہنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے۔ ایک دن کے روزے کا ثواب دس روزوں کا ملتا ہے (ترمذی) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید اور سیۂ سے مراد شرک ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے لیکن اس کی کوئی صحیح سند میری نظر سے نہیں گزری۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سی احادیث اور آثار ہیں۔ لیکن ان شاء اللہ یہ ہی کافی ہیں۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

کہدے کہ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی ہدایت کر دی ہے یعنی سچے دین کی جو ابراہیم کا دین ہے جو شرک سے یکسو تھا اور مشرکوں میں نہ تھے ○ کہدے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی توحید کا حکم فرمایا گیا ہے اور میں سب فرماں برداروں میں اول ہوں ○

بے وقوف وہی ہے جو دین حنیف سے منہ موڑ لے: ☆☆ (آیت: ۱۶۱-۱۶۳) سید المرسلین ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ پر اللہ کی جو نعمت ہے اس کا اعلان کر دیں کہ اس رب نے آپ کو صراط مستقیم دکھا دی ہے جس میں کوئی کجی یا کمی نہیں وہ ثابت اور سالم سیدھی اور ستھری راہ ہے ابراہیم حنیف کی ملت ہے جو مشرکوں میں نہ تھے۔ اس دین سے وہی ہٹ جاتا ہے جو محض بے وقوف ہو۔ اور آیت میں ہے اللہ کی راہ میں پورا جہاد کرو۔ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور کشادہ دین عطا فرمایا جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے فرمانبردار تھے مشرک نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکرگزار تھے اللہ کے پسندیدہ تھے راہ مستقیم کی ہدایت پائے ہوئے تھے۔ دنیا میں بھی ہم نے انہیں بھلائی دی تھی اور میدان قیامت میں بھی وہ نیک کار لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر کہ وہ مشرکین میں نہ تھا یہ یاد رہے کہ حضور گو آپ کی ملت کی پیروی کا حکم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خلیل اللہ آپ سے افضل ہیں اس لئے کہ حضور کا قیام اس پر پورا ہوا اور یہ دین آپ ہی کے ہاتھوں کمال کو پہنچا۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور تمام اولاد آدم کا علی الاطلاق سردار ہوں اور مقام محمود والا ہوں جس سے ساری مخلوق کو امید ہو گی یہاں تک کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضور صبح کے وقت فرمایا کرتے تھے اصبحنا علی ملة الاسلام و کلمة الاخلاص و دین نبینا و ملة ابراهیم حنیفا و ما کان من المشرکین یعنی ہم نے ملت اسلامیہ پر کلمہ اخلاص پر ہمارے نبی کے دین پر اور ملت

ابراہیم حنیف پر صبح کی ہے جو مشرک نہ تھے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب دین اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' وہ جو یکسوئی اور آسانی والا ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ جس دن حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر منہ رکھ کر حبشیوں کے جنگی کرتب ملاحظہ فرمائے تھے' اس دن آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ اس لئے کہ یہود یہ جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے اور اس میں یکسوئی والا آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اور حکم ہوتا ہے کہ آپ مشرکوں سے اپنا مخالف ہونا بھی بیان فرما دیں' وہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' دوسروں کے نام پر ذبیحہ کرتے ہیں۔ جبکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں' اسی کے نام پر ذبیحہ کرتا ہوں چنانچہ بقرہ عید کے دن حضورؐ نے جب دو مینڈھے ذبح کئے توانی و جھت الخ' کے بعد یہی آیت پڑھی۔ آپ ہی اس امت میں اول مسلم تھے' اس لئے کہ یوں تو ہر نبی اور ان کی ماننے والی امت مسلم ہی تھی' سب کی دعوت اسلام ہی کی تھی' سب اللہ کی خالص عبادت کرتے رہے جیسے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' تم سب میری ہی عبادت کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان قرآن میں موجود ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ الخ ملت ابراہیمی سے وہی ہٹتا ہے جس کی قسمت پھوٹ گئی ہو۔ وہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ تھا اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں سے ہے' اسے جب اس کے رب نے فرمایا تو تابعدار بن جا' اس نے جواب دیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔ اس بات کی وصیت ابراہیمؑ نے اپنے بچوں کو کی تھی اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کہ اے میرے بچو' اللہ نے تمہارے لئے دین کو پسند فرما لیا ہے۔

پس تم اسلام ہی پر مرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی آخری دعا میں ہے' یا اللہ تو نے مجھے ملک عطا فرمایا' خواب کی تعبیر سکھائی' آسمان و زمین کا ابتداء میں پیدا کرنے والا تو ہی ہے' تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا اولی ہے' مجھے اسلام کی حالت میں فوت کرنا اور نیک کاروں میں ملا دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ میرے بھائیو' اگر تم ایماندار ہو' اگر تم مسلم ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل رکھا ہے اے اللہ! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ان کافروں سے بچا لے۔ اور آیت میں فرمان باری ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ الخ ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت و نور ہے جس کے مطابق وہ انبیاء حکم کرتے ہیں' جو مسلم ہیں یہودیوں کو بھی اور ربانیوں کو بھی اور احبار کو بھی۔ اور فرمان ہے وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ الخ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' سب نے کہا ہم نے ایمان قبول کیا ہمارے مسلمان ہونے پر تم گواہ رہو۔ یہ آیات صاف بتلا رہی ہیں کہ اللہ نے اپنے نبیوں کو اسلام کے ساتھ ہی بھیجا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی اپنی مخصوص شریعتوں کے ساتھ مختص تھے۔ احکام کا ادل بدل ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ حضورؐ کے دین کے ساتھ پہلے کے تمام دین منسوخ ہو گئے اور نہ منسوخ ہونے والا نہ بدلنے والا ہمیشہ رہنے والا دین اسلام آپ کو ملا' جس پر ایک جماعت قیامت تک قائم رہے گی اور اس پاک دین کا جھنڈا قیامت تک لہراتا رہے گا۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں' ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ بھائیوں کی ایک قسم تو علاتی ہے جن کا باپ ایک ہو' مائیں الگ الگ ہوں۔ ایک قسم اخیافی جن کی ماں ایک ہو اور باپ جدا گانہ ہوں۔ اور ایک عینی بھائی ہیں جن کا باپ بھی

ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو۔ پس تمام انبیاء کا دین ایک ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور شریعت مختلف ہیں بہ اعتبار احکام کے اس لئے انہیں علاتی بھائی فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں اِنِّیْ وَجَّھْتُ اور یہ آیت پڑھ کر پھر یہ پڑھتے اللھم انت الملك لا اله الا انت انت ربی وانا عبدك ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا لایغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لایصرف عنی سیئھا الا انت تبارکت وتعالیت استغفرك واتوب الیك یہ حدیث لمبی ہے۔ اس کے بعد راوی نے رکوع و سجدہ اور تشہد کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ (مسلم)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۶۴

کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ تمام چیزوں کا رب تو وہی ہے ہر برے کام کرنے والے پر اسکا بوجھ ہے کوئی بوجھ والا دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا پھر تم سب کا لوٹنا تمہارے رب کی طرف ہی ہے پھر تمہارے تمام اختلافات کی خبر وہی تمہیں دیگا ۝

جھوٹے معبود غلط سہارے: ☆☆ (آیت: ۱۶۴) کافروں کو نہ تو خلوص عبادت نصیب ہے نہ سچا توکل رب میسر ہے ان سے کہدے کہ کیا میں بھی تمہاری طرح اپنے اور سب کے سچے معبود کو چھوڑ کر جھوٹے معبود بنالوں؟ میری پرورش کرنے والا حفاظت کرنے والا مجھے بچانے والا میرے کام بنانے والا میری بگڑی کو سنوارنے والا تو اللہ ہی ہے پھر میں دوسرے کا سہارا کیوں لوں؟ مالک و خالق کو چھوڑ کر بے بس اور محتاج کے پاس کیوں جاؤں؟ گویا اس آیت میں توکل علی اللہ اور عبادت رب کا حکم ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں عموماً ایک ساتھ بیان ہوا کرتی ہیں جیسے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اور فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ میں اور قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا میں اور رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا میں اور دوسری آیات میں بھی۔

پھر قیامت کے دن کی خبر دیتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ عدل وانصاف سے ملے گا۔ نیکوں کو نیک بدوں کو بد ایک کے گناہ دوسرے پر نہیں لادے جائیں گے کوئی قرابتدار دوسرے کے عوض پکڑا نہ جائے گا اس دن ظلم بالکل ہی نہ ہوگا نہ کسی کے گناہ بڑھائے جائیں گے نہ کسی کی نیکی گھٹائی جائے گی۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی ہاں جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملے ہیں ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی اولاد کو بھی پہنچے گی۔ جیسے فرمان ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ الخ یعنی جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان میں ان کی تابعداری کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے بلند درجوں میں پہنچا دیں گے گو ان کے اعمال اس درجے کے نہ ہوں لیکن چونکہ ان کی ایمان میں شرکت ہے اس لئے درجات میں بھی بڑھا دیں گے اور یہ درجے ماں باپ کے درجے گھٹا کر نہ بڑھیں گے بلکہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہوگا۔ ہاں برے لوگ اپنے بد اعمال کے جھگڑے میں گھرے ہوں گے۔ تم بھی عمل کئے جا رہے ہو ہم بھی کئے جا رہے ہیں اللہ کے ہاں سب کو جانا ہے وہاں اعمال کا حساب ہونا ہے پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس اختلاف میں حق اور رضائے رب مرضی مولیٰ کس کے ساتھ تھی؟ ہمارے اعمال سے تم اور تمہارے اعمال سے ہم اللہ کے ہاں پوچھے نہ جائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے ہاں

سچے فیصلے ہوں گے اور وہ باعلم اللہ ہمارے درمیان سچے فیصلے فرما دے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ
وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۲۰

اسی نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فضیلت دی ہے' تاکہ اس نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے' اس میں تمہاری آزمائش کرے' بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت ہی بخشش مہربانی کرنے والا بھی ہے ○

اللہ کی رحمت' اللہ کے غضب پر غالب ہے: ☆☆ (آیت:۱۶۵) اس اللہ نے تمہیں زمین کا آباد کرنے والا بنایا ہے۔ وہ تمہیں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا رہتا ہے' ایسا نہیں کیا کہ زمین پر فرشتے بستے ہوں۔ فرمان ہے عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ''ممکن ہے' تمہارا رب تمہارے دشمن کو غارت کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا کر آزمائے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟'' اس نے تمہارے درمیان مختلف طبقات بنائے' کوئی امیر ہے' کوئی غریب ہے' کوئی خوش خو ہے' کوئی بداخلاق ہے' کوئی خوبصورت ہے' کوئی بدصورت' یہ بھی اس کی حکمت ہے' اسی نے روزیاں تقسیم کی ہیں' ایک کو ایک کے ماتحت کر دیا ہے۔ فرمان ہے اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ الخ' دیکھ لے کہ ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسے فضیلت دی ہے؟ اس سے منشاء یہ ہے کہ آزمائش و امتحان ہو جائے۔ امیر آدمیوں کا شکر' فقیروں کا صبر معلوم ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے' اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس تمہیں دنیا سے ہوشیار رہنا چاہئے اور عورتوں کے بارے میں بہت احتیاط سے رہنا چاہئے' بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتیں ہی تھیں۔ اس سورت کی آخری آیت میں اپنے دونوں وصف بیان فرمائے۔ عذاب کا بھی' ثواب کا بھی' پکڑ کا بھی اور بخشش کا بھی' اپنے نافرمانوں پر ناراضگی کا اور اپنے فرمانبرداروں پر رضامندی کا۔ عموماً قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ ہی بیان فرمائی جاتی ہیں۔

جیسے فرمان ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ اور آیت میں ہے نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ یعنی تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔ پس ان آیات میں رغبت و رہبت دونوں ہیں' اپنے فضل کا اور جنت کا لالچ بھی دیتا ہے اور آگ کے عذاب سے دھمکاتا بھی ہے۔ کبھی کبھی ان دونوں وصفوں کو الگ الگ بیان فرماتا ہے' تاکہ عذابوں سے بچنے اور نعمتوں کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام کی پابندی اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے نفرت نصیب فرمائے اور ہمیں کامل یقین عطا فرمائے کہ ہم اس کے کلام پر ایمان و یقین رکھیں' وہ قریب و مجیب ہے' وہ دعاؤں کا سننے والا ہے' وہ جواد' کریم اور وہاب ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر مومن صحیح طور پر اللہ کے عذاب سے واقف ہو جائے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت کے حصول کی آس ہی نہ رہے اور اگر کافر اللہ کی رحمت سے کماحقہ واقف ہو جائے تو کسی کو بھی جنت سے مایوسی نہ ہو۔ اللہ نے سو رحمتیں بنائی ہیں جن میں سے صرف ایک بندوں کے درمیان رکھی ہے' اسی سے ایک دوسرے پر رحم و کرم کرتے ہیں۔ باقی ننانوے تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں' یہ حدیث ترمذی اور

مسلم شریف میں بھی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کے وقت ایک کتاب لکھی جو عرش پر اس کے پاس ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے ایک کم ایک سو تو اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا' اسی ایک حصے میں مخلوق کو ایک دوسرے پر شفقت و کرم ہے یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچے کے جسم سے اپنا پاؤں رحم کھا کر اٹھا لیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔

الحمدللہ سورۂ انعام کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الاعراف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ﴿۳﴾

اللہ رحم کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

یہ ہے وہ کتاب جو تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے' پس اس کی تبلیغ سے تیرے سینے میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے' یہ اس لئے اتاری گئی ہے کہ اس کے ساتھ تو لوگوں کو چوکنا کر دے اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہو جائے ○ اسی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے' اس کے سوائے اور رفیقوں کی تابعداری میں نہ لگ جانا' تم تو بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو ○

(آیت: ۱۔۳) اس سورت کی ابتداء میں جو حروف ہیں' ان کے متعلق جو کچھ بیان ہمیں کرنا تھا' اسے تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں مع اختلاف علماء کے ہم لکھ آئے ہیں۔ ابن عباسؓ سے اس کے معنی میں مروی ہے کہ ''اس سے مراد انا اللہ افصل ہے یعنی میں اللہ ہوں' میں تفصیل وار بیان فرما رہا ہوں۔''

سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے' اس میں کوئی شک نہ کرنا' تنگ دل نہ ہونا' اس کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرنا' نہ کسی کا لحاظ کرنا' بلکہ سابقہ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر و استقامت کے ساتھ کلام اللہ کی تبلیغ مخلوق الٰہی میں کرنا' اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ تو کافروں کو ڈرا کر ہوشیار اور چوکنا کر دے یہ قرآن مومنوں کے لئے نصیحت و عبرت وعظ اور نصیحت ہے۔'' اس کے بعد تمام دنیا کو حکم ہوتا ہے کہ ''اس نبی امی کی پوری پیروی کرو' اس کے قدم بہ قدم چلو' یہ تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہے' کلام اللہ تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ اللہ تم سب کا خالق مالک ہے اور تمام جان داروں کا رب ہے۔ خبردار ہرگز ہرگز نبی سے ہٹ کر دوسرے کی تابعداری نہ کرنا ورنہ حکم عدولی پر سزا ملے گی' افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' جیسے فرمان ہے کہ ''گو تم چاہو لیکن اکثر لوگ اپنی بے ایمانی پر اڑے ہی رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد

فرماتے ہیں وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ''اگر تو انسانوں کی کثرت کی طرف جھک جائے گا تو وہ تجھے بہکا کر ہی چین لیں گے۔'' سورۂ یوسف میں فرمان ہے ''اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہوئے بھی شرک سے باز نہیں رہتے۔''

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

بہت سی وہ بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' ان کے پاس ہمارا عذاب یا تو رات کے وقت آ گیا یا اس حالت میں کہ وہ دوپہر کے آرام میں تھے ○ پس جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو انہیں یہ کہتے بن پڑی کہ بیشک ہم ہی ناانصاف تھے ○ پھر یقیناً ہم ان لوگوں سے ہی سوال کریں گے جنکے پاس رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ○ پھر ہم ان کے سب کے سامنے اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے اور ہم غائب تو تھے ہی نہیں ○

سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں: ☆☆ (آیت: ۴-۷) ان لوگوں کو جو ہمارے رسولوں کی مخالفت کرتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' تم سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں' دنیا اور آخرت کی ذلت ان پر برس پڑی۔ جیسے فرمان ہے ''تجھ سے اگلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا' لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق کرنے والوں کے مذاق نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔'' ایک اور آیت میں ہے۔ ''بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے غارت کر دیا جواب تک الٹی پڑی ہیں' اور جگہ ارشاد ہے' بہت سے اتراتے ہوئے لوگوں کے شہر ہم نے ویران کر دیئے' دیکھ لو کہ اب تک ان کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں جو بہت کم آباد ہوئے' حقیقتاً وارث و مالک ہم ہی ہیں' ایسے ظالموں کے پاس ہمارے عذاب اچانک آ گئے اور وہ اپنی غفلتوں اور عیاشیوں میں مشغول تھے' کہیں دن کو دوپہر کے آرام کے وقت' کہیں رات کے سونے کے وقت۔

چنانچہ ایک آیت میں ہے اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ یعنی لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے سوتے ہوئے راتوں رات اچانک ہمارا عذاب آ جائے' یا انہیں ڈر نہیں کہ دن دیہاڑے دوپہر کو ان کے آرام کے وقت ان پر ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور آیت میں ہے کہ مکاریوں کی وجہ سے ہماری نافرمانیاں کرنے والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان کے پاس عذاب الٰہی اس طرح آ جائے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے' یا اللہ انہیں ان کی بے خبری میں آرام کی گھڑیوں میں ہی پکڑ لے' کوئی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے' یہ تو رب کی رحمت و رأفت ہے کہ جو گنہگار زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آ جانے کے بعد تو یہ خود اپنی زبانوں سے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت کیا نفع؟ اسی مضمون کو آیت وَكَمْ قَصَمْنَا میں بیان فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ بندوں کے عذر ختم نہیں کر دیتا' انہیں عذاب نہیں کرتا۔ عبدالملک سے جب یہ حدیث ان کے شاگردوں نے سنی تو دریافت کیا کہ اس کی صورت کیا ہے؟ تو آپ نے یہ آیت فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ الخ' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا' امتوں سے بھی' ان کے رسولوں سے بھی یعنی سب سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی اس دن ندا کی جائے گی اور دریافت کیا جائے گا کہ تم

نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اس آیت میں امتوں سے سوال کیا جانا بیان کیا گیا ہے - اور آیت میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ الخ ' رسولوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں ' غیب کا جاننے والا تو بے شک تو ہی ہے - پس امت سے رسولوں کی قبولیت کی بابت اور رسولوں سے تبلیغ کی بابت قیامت کے دن سوال ہوگا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ' تم میں سے ہر ایک بااختیار ہے اور اپنے زیر اختیار لوگوں کی بابت اس سے سوال کیا جانے والا ہے ' بادشاہ سے اس کی رعایا کا ' ہر آدمی سے اس کے اہل و عیال کا ' ہر عورت سے اس کے خاوند کے گھر کا ' ہر غلام سے اس کے آقا کے مال کا سوال ہوگا - راوی حدیث حضرت طاؤس ؒ نے اس حدیث کو بیان فرما کر پھر آیت کی تلاوت کی - اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم کی نکالی ہوئی بھی ہے اور زیادتی ابن مردویہ نے نقل کی ہے - قیامت کے دن اعمال نامے رکھے جائیں گے اور سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کی خبر دے گا ' کسی کے عمل کے وقت اللہ غائب نہ تھا ' ہر ایک چھوٹے بڑے چھپے کھلے عمل کی اللہ کی طرف سے خبر دی جائے گی ' اللہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے - اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ وہ کسی چیز سے غافل ہے - آنکھوں کی خیانت سے ' سینوں کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے ' ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے ' زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہوتا ہے ' اسے بھی وہ جانتا ہے ' تر اور خشک چیز اس کے پاس کھلی کتاب میں موجود ہے -

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝۹

اس دن عدل و انصاف کے ساتھ اعمال کا تول ہونا ہی ہے ' جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا ' وہ چھٹکارا پانے والے ہیں ○ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گیا ' یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کیا کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے ○

میزان اور اعمال کا دین : ☆☆ (آیت : ۸-۹) قیامت کے دن نیکی ' بدی ' انصاف و عدل کے ساتھ تولی جائے گی ' اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا - جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ الخ قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو رکھیں گے ' کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا ' رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں - اور آیت میں ہے '' اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا ' وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے - '' سورۂ القارعہ میں فرمایا جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا ' اسے عیش و نشاط کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گیا ' اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے ' جو بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانے کا نام ہے -

اور آیت میں ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ یعنی جب نفخہ پھونک دیا جائے گا ' تو سارے رشتے ناتے اور نسب حسب ٹوٹ جائیں گے ' کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا ' اگر تول میں نیک اعمال بڑھ گئے تو فلاح پالی ' ورنہ خسارے کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے -

فصل : کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے - کوئی کہتا ہے ' نامہ اعمال تولے جائیں گے - کوئی کہتا ہے ' خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے - کبھی نامہ اعمال ' کبھی خود اعمال کرنے والے واللہ اعلم - ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں - پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہیں ' لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے - سورۂ بقرہ اور سورۂ آل

عمران قیامت کے دن دو سائبانوں کی' یا دو بادلوں کی' یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی۔ اور حدیث میں ہے کہ قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان' خوش شکل' نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا' یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں اور جو تجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا اور دن میں پانی پینے سے روکتا تھا۔ حضرت براءؓ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے' اس میں یہ بھی فرمان ہے کہ مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت خوشبودار آئے گا' یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اور کافر و منافق کے پاس اس کے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے' یہ تو تھیں پہلے قول کی دلیلیں۔ دوسرے قول کی دلیلیں یہ ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے (۹۹) دفتر پھیلائے جائیں گے جس میں سے ہر ایک اتنا بڑا ہوگا جتنی دور تک نظر پہنچے' پھر ایک پرچہ نیکی کا لایا جائے گا جس پر لا الہ الا اللہ ہوگا' یہ کہے گا' یا اللہ یہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے۔ اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا' تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن دار اور بھاری ہو جائیں گے (ترمذی) تیسرا قول بھی دلیل رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے' ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن اللہ کے پاس اس کا نہ ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف میں جو احادیث ہیں ان میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' ان کی پتلی پنڈلیوں پہ نہ جانا' اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ ع ۸

ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کا ٹھکانا بھی دیا اور وہیں تمہاری زندگی کے اسباب بھی مہیا کر دیئے لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کے احسانات: ☆☆ (آیت: ۱۰) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے زمین اپنے بندوں کے رہنے سہنے کے لئے بنائی' اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے کہ ہلے جلے نہیں' اس میں چشمے جاری کئے' اس میں منزلیں اور گھر بنانے کی طاقت انسان کو عطا فرمائی اور بہت سی نفع کی چیزیں اس لئے پیدائش فرمائیں' ابر مقرر کر کے اس میں سے پانی برسا کر ان کے لئے کھیت اور باغات پیدا کئے۔ تلاش معاش کے وسائل مہیا فرمائے' تجارت اور کمائی کے طریقے سکھا دیئے' باوجود اس کے اکثر لوگ پوری شکر گزاری نہیں کرتے ایک آیت میں فرمان ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے بیٹھو تو یہ بھی تمہارے بس کی بات نہیں' لیکن انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔ مَعَايِشْ تو جمہور کی قرات ہے لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج مَعَآيِشْ پڑھتے ہیں اور ٹھیک وہی ہے جس پر اکثریت ہے' اس لئے کہ معایش جمع ہے مَعِيْشَته" کی' اس کا باب عَاشَ يَعِيْشُ عَيْشًا ہے مَعِيْشَته" کی اصل مَعْيِشَته" ہے۔ کسرہ پر ثقیل تھا۔ نقل کر کے ماقبل کو دیا مَعِيْشَته" ہو گیا لیکن جمع کے وقت پھر کسرہ پر آ گیا کیونکہ اب ثقل نہ رہا۔ پس مَفَاعِلٌ کے وزن پر معایش ہو گیا کیونکہ اس کلمہ میں "یا" اصلی ہے۔ بخلاف مدائن' صحائف اور بصائر کے جو مدینہ' صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہے۔ باب مدن صحف اور البصر سے ان میں چونکہ "یا" زائد ہے' اس لئے ہمزہ دی جاتی ہے اور مفاعل کے وزن پر جمع آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری صورتیں بنائیں' پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں چنانچہ سوائے ابلیس کے سب نے کیا' وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا○

ابلیس' آدم (علیہ السلام) اور نسل آدم: ☆☆ (آیت:۱۱) اللہ تعالیٰ انسان کے شرف کو اسطرح بیان فرماتا ہے کہ تمہارے باپ آدم کو میں نے خود ہی بنایا اور ابلیس کی عداوت کو بیان فرمار ہا ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کا حسد کیا' ہمارے فرمان سے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر اس نے نافرمانی کی' پس تمہیں چاہئے کہ دشمن کو دشمن سمجھو' اس کے داؤ پیچ سے ہوشیار رہو۔ اسی واقعہ کا ذکر آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں بھی ہے۔ حضرت آدمؑ کو پروردگار نے اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا' انسانی صورت عطا فرمائی' پھر اپنے پاس سے اس میں روح پھونکی' پھر اپنی شان کی جلالت منوانے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ' سب نے سنتے ہی اطاعت کی لیکن ابلیس نہ مانا' اس واقعہ کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار لکھ آئے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور اسی کو امام بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انسان اپنے باپ کی پیٹھ میں پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ میں صورت دیا جاتا ہے اور بعض سلف نے بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں مراد اولاد آدم ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ آدم کو پیدا کیا' پھر اس کی اولاد کی صورت بنائی' لیکن یہ سب اقوال غور طلب ہیں' کیونکہ آیت میں اس کے بعد ہی فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی ہوا تھا' جمع کے صیغہ سے اس کا بیان اس لئے ہوا کہ حضرت آدمؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں' آیت وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ الخ اس کی نظیر ہے۔ یہاں خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے اور دراصل ابر کا سایہ ان کے سابقہ لوگوں پر ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تھے نہ کہ ان پر' لیکن چونکہ ان کے اکابر پر سایہ کرنا ایسا احسان تھا کہ ان کو بھی اس کا شکرگزار ہونا چاہئے تھا' اس لئے انہی کو خطاب کر کے اپنی وہ نعمت یاد دلائی۔ یہاں یہ بات واضح ہے اس کے بالکل برعکس آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ الخ ہے کہ مراد آدمؑ ہیں کیونکہ صرف وہی مٹی سے بنائے گئے' ان کی کل اولاد نطفے سے پیدا ہوئی اور یہی صحیح ہے کیونکہ مراد جنس انسان ہے نہ کہ معین۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

جناب باری نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ جبکہ تجھے میرا حکم ہو چکا تھا' اس نے جواب دیا میں اس میں افضل ہوں' مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے○

عذر گناہ بدتر از گناہ: ☆☆ (آیت:۱۲) اَلَّا تَسْجُدَ میں لا بقول بعض نحویوں کے زائد ہے اور بعض کے نزدیک انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہ شاعر کے قول ما ان رایت ولا سمعت بمثلہ میں ''ما'' نافیہ پر ''ان'' نفی کے لئے صرف تاکیداً داخل ہوا ہے۔ اسی

طرح یہاں بھی ہے کہ پہلے لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ہے' پھر مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ہے۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ ان دونوں اقوال کو بیان کر کے انہیں رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں منعك ایک دوسرے فعل مقدر کا متضمن ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی ما احوجك و الزمك و اضطرك الا تسجداذا مرتك یعنی تجھے کس چیز نے بے بس محتاج اور ملزم کر دیا ہے کہ تو سجدہ نہ کرے؟ وغیرہ' یہ قول بہت ہی قوی ہے اور بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابلیس نے جو وجہ بتائی' سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کئے جانے کا حکم ہی نہیں دیا جاسکتا' تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں' پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اپنے بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے' ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی والے کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح پھونکی ہے' پس اس وجہ سے کہ اس نے فرمان الٰہی کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا' اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہیں' نرم ہونا' حامل مشقت ہونا' دوسروں کا بوجھ سہارنا' چیزوں کو اگانا' بڑھانا' پرورش کرنا' اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا' جلا دینا' بے چینی پھیلانا' پھونک دینا' اسی وجہ سے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدمؑ نے اپنے گناہ کی معذرت کی' اس سے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا' رب کے احکام کو تسلیم کیا' اپنے گناہ کا اقرار کیا' رب سے معافی چاہی' بخشش کے طالب ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے (مسلم) ایک اور روایت میں ہے' فرشتے نور عرش سے جنات آگ سے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حور عین زعفران سے بنائی گئی ہیں۔ امام حسنؒ فرماتے ہیں' ابلیس نے یہ کام کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا دروازہ کھولا' اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے' یاد رکھو سورج چاند کی پرستش اسی کی بدولت شروع ہوئی ہے اور اس کی اسناد بھی صحیح ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اس پر اللہ نے فرمایا' تو جنت سے اتر جا' تیری اتنی ہستی نہیں کہ تو یہاں شیخی خوری کرے' جا نکل' تو بڑے ہی ذلیلوں میں سے ہے ○ کہنے لگا مجھے دوبارہ کھڑا کئے جانے کے دن تک کی مہلت عطا فرما ○ جواب ملا کہ ہاں ہاں تو مہلت دیئے گئے ہوؤں میں سے ہے ○ شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے مجھے بے راہ کر دیا ہے' اب میں تیری سیدھی راہ پر انہیں بہکانے کے لئے بیٹھ جاؤں گا ○ اور ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آتا

رہوں گا' تو ان میں سے اکثروں کا اپنا شکر گزار نہ پائے گا○

نافرمانی کی سزا: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۵) ابلیس کو اسی وقت حکم ملا کہ ''میری نافرمانی اور میری اطاعت سے رکنے کے باعث اب تو یہاں جنت میں نہیں رہ سکتا' یہاں سے اتر جا کیونکہ یہ جگہ تکبر کرنے کی نہیں -'' بعض نے کہا ہے فیھا کی ضمیر کا مرجع منزلت ہے یعنی جن ملکوت اعلیٰ میں تو ہے' اس مرتبے میں کوئی سرکش رہ نہیں سکتا' جا یہاں سے چلا جا' تو اپنی سرکشی کے بدلے ذلیل وخوار ہستیوں میں شامل کر دیا گیا' تیری ضد اور ہٹ کی یہی سزا ہے - اب لعین گھبرایا اور اللہ سے مہلت چاہنے لگا کہ مجھے قیامت تک کی ڈھیل دی جائے - چونکہ جناب باری جل جلالہ کی اس میں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں' اچھے اور بروں کو دنیا میں ظاہر کرنا تھا اور اپنی حجت پوری کرنا تھی' اس ملعون کی اس درخواست کو منظور فرما لیا - اس حاکم پر کسی کی حکومت نہیں' اس کے سامنے بولنے کی کسی کو مجال نہیں' کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو ٹال سکے' کوئی نہیں جو اس کے حکم کو بدل سکے' وہ سریع الحساب ہے -

ابلیس کا طریقۂ واردات' اس کی اپنی زبانی: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) ابلیس نے جب عہد الٰہی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری میں بھی آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا اور حق ونجات کے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا' تیری توحید سے بہکا کر' تیری عبادت سے سب کو ہٹا دوں گا - بعض نحوی کہتے ہیں کہ فبما میں ''با'' قسم کے لئے ہے' یعنی مجھے قسم ہے اپنی بربادی کے مقابلے میں اس کی اولاد کو برباد کر کے رہوں گا - عون بن عبداللہ کہتے ہیں' میں مکے کے راستے پر بیٹھ جاؤں گا لیکن صحیح یہی ہے کہ نیکی کے ہر راستے پر -

چنانچہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے وہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے اسلام لانے والے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے آپ اور اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے - اللہ کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے - ہجرت کی راہ سے روکنے کے لئے آڑے آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اپنے وطن کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اپنی زمین و آسمان سے کیوں الگ ہوتا ہے؟ غربت و بے کسی کی زندگی کیوں اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گذرتا ہے - پھر جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے - اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا' پھر تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی' تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا' لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے' پس ایسے لوگوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں - اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شک وشبہ پیدا کرنا ہے - دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا - دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے' بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے' شیطانوں کا یہی کام ہے - ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں اس کی دنیا و آخرت' نیکیاں' بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا - وہ سامنے سے آ کر کہتا ہے کہ جنت دوزخ قیامت کوئی چیز نہیں' وہ پشت کی جانب سے آ کر کہتا ہے' دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے' وہ دائیں طرف سے آ کر کہتا ہے' خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے' وہ بائیں سے آ کر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں' پس ہر طرف سے آ کر ہر طرح بہکاتا ہے' ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اوپر کی طرف سے نہیں آ سکتا - اللہ کے بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت الٰہی کی روک نہیں بن سکتا' پس سامنے' یعنی دنیا اور پیچھے' یعنی آخرت اور دائیں' یعنی اس طرح کہ دیکھیں اور بائیں' یعنی اس طرح نہ دیکھ سکیں' یہ سب اقوال ٹھیک ہیں -

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور شر کے تمام کام سمجھا جاتا ہے' اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں' وہ سمت رحمت رب کے آنے کے لئے خالی ہے اور وہاں شیطان کی روک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثروں کو تو شاکر نہیں پائے گا یعنی موحد۔ ابلیس کو یہ وہم ہی وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ الخ یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوائے مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے' حالانکہ شیطان کی کچھ حکومت تو ان پر نہ تھی' مگر ہاں ہم صحیح طور سے ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے تھے' تیرا رب ہر چیز کا حافظ ہے۔ مسند بزار کی ایک حسن حدیث میں ہر طرف سے پناہ مانگنے کی ایک دعا آئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں اللھم انی اسئلك العفو والعافیة فی دینی و دنیای واھلی و مالی اللھم استر عوراتی وامن روعاتی واحفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی و اعوذبك اللھم ان اغتال من تحتی مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ ہر صبح شام اس دعا کو پڑھتے تھے اللھم انی اسئلك العافیة فی الدین والاخرۃ اس کے بعد کی دعا کے کچھ فرق سے قریباً وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

فرمایا یہاں سے نکل باہر ہو' تو ذلیل و خوار اور راندۂ درگاہ ہو کر' ان انسانوں میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا میں تم سب سے جہنم کو پُر کر دوں گا ○ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا تاکہ ان پر وہ چیزیں کھول دے جو ان پر پوشیدہ کر دی گئی تھیں یعنی ان کی شرمگاہیں اور کہنے لگا' تمہارے پروردگار نے جو اس درخت سے تمہیں روک دیا ہے' یہ صرف اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ ○ اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلانے لگا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں ○

اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا ایندھن ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸) اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے' رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے' فرشتوں کی جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے' عیب دار کر کے اتار دیا جاتا ہے' لفظ "مذوم" ماخوذ ہے "ذام" اور "ذیم" سے' یہ لفظ بہ نسبت لفظ "ذم" کے زیادہ مبالغے والا ہے' پس اس کے معنی عیب دار کے ہوئے اور مدحور کے معنی دور کئے ہوئے کے ہیں' مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ پس یہ ذلیل ہو کر اللہ کے غضب میں مبتلا ہو کر نیچے اتار دیا گیا' اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوئی اور نکال دیا گیا اور فرمایا گیا کہ تو اور تیرے ماننے والے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ الخ تمہاری سب کی سزا جہنم ہے۔ تو جس

طرح چاہے انہیں بہکا' لیکن اس سے مایوس ہو جا کہ میرے خاص بندے تیرے وسوسوں میں آ جائیں گے (کیونکہ) ان کا وکیل میں خود ہوں۔

پہلا امتحان اور اسی میں لغزش اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) ابلیس کو نکال کر حضرت آدم وحوا کو جنت میں پہنچا دیا گیا اور بجز ایک درخت کے انہیں ساری جنت کی چیزیں کھانے کی رخصت دے دی گئی' اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ شیطان کو اس سے بڑا ہی حسد ہوا' ان کی نعمتوں کو دیکھ کر لعین جل گیا اور ٹھان لی کہ جس طرح سے ہو' انہیں بہکا کر اللہ کے خلاف کر دوں' چنانچہ جھوٹ افترا باندھ کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ درخت وہ ہے جس کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ کی زندگی اسی جنت میں پاؤ گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ابلیس نے کہا میں تمہیں ایک درخت کا پتہ دیتا ہوں جس سے تمہیں بقا اور ہمیشگی والا ملک مل جائے گا۔ یہاں ہے کہ ان سے کہا' تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا گیا ہے کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ جیسے فرمان ہے یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا مطلب ہے کہ لئلا تضلوا اور آیت میں ہے اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یہاں بھی یہی مطلب ہے۔ مَلَكَيْنِ کی دوسری قرات مَلِكَيْنِ بھی ہے لیکن جمہور کی قرات لام کے زبر کے ساتھ ہے۔ پھر اپنا اعتبار جمانے کے لئے قسمیں کھانے لگا کہ دیکھو میری بات کو سچ مانو میں تمہارا خیر خواہ ہوں' تم سے پہلے سے ہی یہاں رہتا ہوں' ہر ایک چیز کے خواص سے واقف ہوں تم اسے کھالو بس پھر یہیں رہو گے' بلکہ فرشتے بن جاؤ گے۔ قاسم باب مفاعلہ سے ہے اور اس کی خاصیت طرفین کی مشارکت ہے لیکن یہاں یہ خاصیت نہیں ہے' ایسے اشعار بھی ہیں جہاں قاسم آیا ہے اور صرف ایک طرف کے لئے۔ اس قسم کی وجہ سے اس خبیث کے بہکاوے میں حضرت آدمؑ آ گئے۔ سچ ہے مومن اس وقت دھوکا کھا جاتا ہے جب کوئی ناپاک انسان اللہ کو بیچ میں دیتا ہے۔ چنانچہ سلف کا قول ہے کہ (مومن) اللہ کے نام کے بعد اپنے ہتھیار ڈال دیا کرتے ہیں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

غرض دھوکے سے انہیں مائل کر ہی لیا' جوں ہی انہوں نے اس درخت کو چکھا' ان کی شرمگاہیں ان پر کھل گئیں' اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے' اسی وقت ان کے رب نے انہیں آواز دی' کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟ ○ دونوں دعائیں کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نامراد اور برباد ہو جائیں گے ○

لغزش کے بعد کیا ہوا؟: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے' درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا' نظر ہی نہ پڑی تھی' لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی' بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے' کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے' درخت سے جواب ملا' ناممکن ہے' اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے' یا اللہ شرمندگی ہے' شرمسار ہوں'' گو یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''درخت کا پھل کھالیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہو گئی'

جنت کے پتوں سے چھپانے لگے' ایک کو ایک کونے پر چپکانے لگے' حضرت آدمؑ مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے' لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے' اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا' نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں' جناب باری نے فرمایا' آدمؑ جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا' کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا' بے شک کافی تھا' لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔

چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا' اب اس کشادگی کے بعد یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری' کھانے پینے کو ترس گئے' پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی' کھیتی کا کام بتایا گیا' آپ نے زمین صاف کی' دانے بوئے' وہ اُگے بڑھے' بالیں نکلیں' دانے پکے' پھر توڑے گئے' پھر پیسے گئے' آٹا گندھا' پھر روٹی تیار ہوئی' پھر کھائی۔ جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ ''تین'' کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے' وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضاء چھپائے ہوئے تھے' نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے۔ حضرت آدمؑ اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے' توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے' بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی' اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کو طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائیں۔''

مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے جب درخت سے کھا لیا' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اس درخت سے میں نے تمہیں روک دیا تھا' پھر تم نے اسے کیوں کھایا؟ کہنے لگے' حواء نے مجھے اس کی رغبت دلائی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی' بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی' یہ سنتے حضرت حواء نے نوحہ شروع کیا' حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے جناب باری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی' انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی اور قصور معاف فرما دیا گیا۔ فالحمد للہ!

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ ع ۱۵

فرمایا تم سب اتر جاؤ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو' تمہارے لئے زمین میں ہی ایک وقت مقرر تک رہنا سہنا ہے اور سامان زندگی بھی ○ یہ بھی فرما دیا کہ یہیں زمین میں ہی زندگی گزارو گے اور یہیں تم مرو گے اور اسی سے تم نکال کھڑے کئے جاؤ گے ○

سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) بعض کہتے ہیں یہ خطاب حضرت آدمؑ حضرت حوا' شیطان ملعون اور سانپ کو ہے۔ بعض سانپ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد حضرت آدمؑ ہیں اور شیطان ملعون۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں ہے اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا حوا حضرت آدمؑ کے تابع تھیں اور سانپ کا ذکر اگر صحت تک پہنچ جائے تو وہ ابلیس کے حکم میں آ گیا۔ مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں کہ آدم کہاں اترے اور شیطان کہاں پھینکا گیا وغیرہ۔ لیکن دراصل ان کا مخرج بنی اسرائیل کی روایات ہیں اور ان کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جگہ کے جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں' اگر ہوتا تو ان کا بیان قرآن میں یا حدیث میں ضرور ہوتا۔ کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے قرار کی جگہ زمین ہے' وہیں تم اپنی مقررہ زندگی کے دن پورے کرو گے جیسے کہ ہماری پہلی کتاب لوح محفوظ میں پہلے سے ہی لکھا ہوا موجود ہے۔ اسی زمین پر جیو گے اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دبائے جاؤ گے اور پھر حشر و نشر بھی اسی میں ہوگا۔ جیسے فرمان ہے

مِنهَا خَلَقنٰکُم وَفِیهَا نُعِیدُکُم وَمِنهَا نُخرِجُکُم تَارَۃً اُخرٰی پس اولاد آدم کی زندگی گذارنے کی جگہ بھی یہی ہے اور مرنے کی جگہ بھی یہی، قبریں بھی اسی میں اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی سے، پھر بدلہ دیئے جائیں گے۔

یٰبَنِیٓ اٰدَمَ قَد اَنزَلنَا عَلَیکُم لِبَاسًا یُّوَارِی سَوْاٰتِکُم وَرِیشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیرٌ ؕ ذٰلِکَ مِن اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُم یَذَّکَّرُونَ ﴿۲۶﴾

اے فرزندان آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو ڈھانپتا ہے اور ہم نے زینت کا پہناوا بھی اتارا ہے، ہاں پرہیزگاری کا لباس وہی سب سے بہتر ہے، یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سمجھ بوجھ لیں ○

لباس اور داڑھی جمال وجلال: ☆☆ (آیت:۲۶) یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے لباس اتارا اور ریش بھی، لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ لباس تو ضروریات زندگی سے ہے اور ریش زیادتی ہے، ریش کے معنی مال کے بھی ہیں اور ظاہری پوشاک کے بھی ہیں اور جمال وخوش لباسی کے بھی ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جبکہ گلے تک وہ پہن لیا، تو فرمایا الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی پھر فرمانے لگے، میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے، پھر پرانا کپڑا راہ اللہ دے دے تو وہ اللہ کے ذمہ میں، اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے، زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)۔ مسند احمد میں ہے حضرت علیؓ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم میں خریدا اور اسے پہنا، جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا تو آپ نے یہ دعا پڑھی الحمد للہ الذی رزقنی من ریاش ماا تجمل بہ فی الناس واواری بہ عورتی یہ دعا سن کر آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے، یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضورؐ سے سنا ہے۔

لِبَاسُ التقوی کی دوسری قرات لِبَاسَ التقوی سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے مبتدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد قیامت کے دن پرہیزگاروں کو جو لباس عطا ہوگا، وہ ہے۔ ''ابن جریج کا قول ہے ''لباس تقویٰ ایمان ہے۔'' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''عمل صالح ہے اور اسی سے ہنس مکھ ہوتا ہے۔'' عروہؒ کہتے ہیں ''مراد اس سے مشیت ربانی ہے۔'' عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں ''اللہ کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقویٰ ہے۔'' یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور یہ سب چیزیں ملی جلی اور آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ ایک ضعیف سند والی روایت میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبویؐ پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا، اس وقت آپ کتوں کے مار ڈالنے اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا، لوگو اللہ سے ڈرو خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر اعلانیہ ڈال دے گا، اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اس سے

مراد خوش خلقی ہے۔ ہاں صحیح حدیث میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن منبر پر کتوں کے قتل کرنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اے اولاد آدم کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جیسے کہ اس نے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوا دیا' ان کے کپڑے ان سے اتروا لیے کہ انہیں ان کے پردے کی چیزیں دکھا دے' تمہیں وہ اور اس کی قوم وہاں سے دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہ دیکھ سکو' ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا یار اور رفیق بنا دیا ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○ یہ لوگ جب کوئی بیہودہ حرکت کرتے ہیں تو صاف کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقے پر پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے' تو جواب دے کہ ناممکن ہے کہ اللہ برائیوں کا حکم دے' کیا تم لوگ اللہ پر وہ باتیں جوڑ لیتے ہو جن سے تم بے علم ہو؟ ○

ابلیس سے بچنے کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۷) تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا' وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے' دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو دار سرور سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا' ان کی پردہ دری کی پس تمہیں اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے' ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔

جہالت اور طواف کعبہ: ☆☆ (آیت: ۲۸) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسے ہم پیدا ہوئے ہیں' اسی حالت میں طواف کریں گے۔ عورتیں بھی آگے کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا کوئی چیز رکھ لیتی تھی اور کہتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله   وما بدامنه فلا احله

آج اس کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جائے گا اور جتنا بھی ظاہر ہو' میں اسے اس کے لئے جائز نہیں رکھتی' اس پر آیت واذافعلوا الخ' نازل ہوئی ہے۔ یہ دستور تھا کہ قریش کے سوا تمام عرب بیت اللہ شریف کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے' وہ سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں' اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہنے ہوئے طواف کر سکیں' ہاں قریش جو اپنے آپ کو حمس کہتے تھے' اپنے کپڑوں میں بھی طواف کرتے تھے اور جن لوگوں کو قریش کپڑے بطور ادھار دیں' وہ بھی ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر سکتا تھا' یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں' پھر طواف کے بعد ہی انہیں اتار ڈالتا تھا' اب یہ کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے تھے' پس جس کے پاس نیا کپڑا نہ ہو اور حمس بھی اس کو اپنا کپڑا نہ دے تو اسے ضروری تھا کہ وہ ننگا ہو کر طواف کرے' خواہ عورت ہو خواہ مرد'

عورت اپنے آگے کے عضو (شرمگاہ) پر ذرا سی کوئی چیز رکھ لیتی اور وہ کہتی جس کا بیان اوپر گذرا لیکن عموماً عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں' یہ بدعت انہوں نے از خود گھڑ لی تھی۔ اس فعل کی دلیل سوائے باپ دادا کی تقلید کے اور ان کے پاس کچھ نہ تھی' لیکن اپنی خوش فہمی اور نیک ظنی سے کہہ دیتے تھے کہ اللہ کا بھی یہی حکم ہے' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ فرمودۂ رب نہ ہوتا تو ہمارے بزرگ اس طرح نہ کرتے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا' ایک تو برا کام کرتے ہو' دوسرے جھوٹ موٹ اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو' یہ چوری اور سینہ زوری ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰

کہہ دے کہ میرا رب تو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اپنے منہ ہر نماز کے وقت راست لو اور اسی کو پکارو در آں حالیکہ تم اس کے لئے ہی خالص عبادت کرنے والے رہو' اس نے جیسے کہ تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے' اسی طرح دوبارہ بھی پیدا ہو گے ○ ایک فرقے کو تو ہدایت کی اور ایک فرقہ ہے جس پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنا لیا اور باوجود اس کے گمان کرتے ہیں کہ راہ یافتہ ہیں ○

(آیت: ۲۹۔۳۰) کہہ دے کہ رب العالمین کا حکم تو عدل و انصاف کا ہے' استقامت اور دیانت داری کا ہے' برائیوں اور گندے کاموں کے چھوڑنے کا ہے' عبادات ٹھیک طور پر بجا لانے کا ہے' جو اللہ کے سچے رسولوں کے طریقہ کے مطابق ہوں' جن کی سچائی ان کے زبردست معجزوں سے اللہ نے ثابت کر دی ہے' ان کی لائی ہوئی شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے ہوں' جب تک اخلاص اور پیغمبرؐ کی تابعداری کسی کام میں نہ ہو' اللہ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے' اسی طرح وہ دوبارہ بھی لوٹائے گا۔ دنیا میں بھی اسی نے پیدا کیا' آخرت کے دن بھی وہی قبروں سے دوبارہ پیدا کرے گا' پہلے تم کچھ نہ تھے' اس نے تمہیں بنایا' اب مرنے کے بعد پھر وہ تمہیں زندہ کر دے گا' جیسے اس نے شروع میں تمہاری ابتدا کی تھی' اسی طرح پھر سے تمہارا اعادہ کرے گا۔

چنانچہ حدیث میں بھی ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک وعظ میں فرمایا' لوگو تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں' ننگے بدنوں بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے' جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدائش میں کیا تھا اسی کو پھر دہرائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی نکالی گئی ہے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جیسے ہم نے لکھ دیا ہے' ویسے ہی تم ہو گے ایک روایت میں ہے جیسے تمہارے اعمال تھے' ویسے ہی تم ہو گے' یہ بھی معنی ہیں کہ جس کی ابتداء میں بدبختی لکھ دی ہے' وہ بدبختی اور بداعمالی کی طرف ہی لوٹے گا گو درمیان میں نیک ہو گیا اور جس کی تقدیر میں شروع سے ہی نیکی اور سعادت لکھ دی گئی ہے وہ انجام کار نیک ہی ہو گا' گو اس سے کسی وقت برائی کے اعمال بھی سرزد ہو جائیں' جیسے کہ فرعون کے زمانے کے جادوگروں کی ساری عمر سیاہ کاریوں اور کفر میں کٹی لیکن آخر وقت مسلمان اولیاء ہو کر مرے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تم میں سے ہر ایک کو ہدایت پر یا گمراہی پر پیدا کر چکا ہے' ایسے ہی ہو کر تم ماں کے بطن سے نکلو گے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش مومن و کافر ہونے کی حالت میں کی ہے جیسے فرمان ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ پھر

انہیں اسی طرح قیامت کے دن لوٹائے گا یعنی مومن و کافر کے گروہوں میں اسی قول کی تائید صحیح بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضورؐ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بام بھر کا یا ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کر جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جہنم سے ایک ہاتھ یا ایک بام دور رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور جنت نشین ہو جاتا ہے۔ دوسری روایت بھی اسی طرح کی ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے وہ کام لوگوں کی نظروں میں جہنم اور جنت کے ہوتے ہیں' اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ اور حدیث میں ہے' ہر نفس اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر تھا (مسلم)

ایک اور روایت میں ہے جس پر مرا۔ اگر اس آیت سے مراد یہی لی جائے تو اس میں اس کے بعد فرمان فَاَقِمْ وَجْهَكَ میں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' یا نصرانی' یا مجوسی بنا لیتے ہیں اور صحیح مسلم کی حدیث جس میں فرمان باری ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و حنیف پیدا کیا' پھر شیطان نے ان کے دین سے انہیں بہکا دیا اس میں کوئی جمع کی وجہ ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں دوسرے حال میں مومن و کافر ہونے کے لئے پیدا کیا' گو پہلے حال میں تمام مخلوق کو اپنی معرفت و توحید پر پیدا کیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جیسے کہ اس نے ان سے روز میثاق میں عہد بھی لیا تھا اور اسی وعدے کو ان کی جبلت و گھٹی میں رکھ دیا تھا' اس کے باوجود اس نے مقدمہ کیا تھا کہ ان میں سے بعض شقی اور بدبخت ہوں گے اور بعض سعید اور نیک بخت ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور حدیث میں ہے ہر شخص صبح کرتا ہے' پھر اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے' کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے آزاد کرا لیتے ہیں' کچھ ایسے ہیں جو اُسے ہلاک کر بیٹھتے ہیں اللہ کی تقدیر' اللہ کی مخلوق میں جاری ہے' اسی نے مقدر کیا' اسی نے ہدایت کی' اسی نے ہر ایک کو اس کی پیدائش دی' پھر رہنمائی کی۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ سعادت والوں میں سے ہیں ان پر نیکیوں کے کام آسان ہوں گے اور جو شقاوت والے ہیں' ان پر بدیاں آسان ہوں گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے' اس فرقے نے راہ پائی اور ایک فرقے پر گمراہی ثابت ہو چکی' پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے۔ اس آیت سے اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی معصیت کے عمل پر یا کسی گمراہی کے عقیدے پر عذاب نہیں کرتا' تاوقتیکہ اس کے پاس صحیح چیز صاف آ جائے اور پھر وہ اپنی برائی پر ضد اور عناد سے جما رہے۔ کیونکہ اگر یہ مذہب صحیح ہوتا تو جو لوگ گمراہ ہیں لیکن خود کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اور جو واقعی ہدایت پر ہیں' ان میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں فرق کیا' ان کے نام میں بھی اور ان کے احکام میں بھی۔ آیت آپ کے سامنے موجود ہے پڑھ لیجئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ ع ۶

اے انسانو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت یعنی لباس لے لیا کرو' کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ گزر جاؤ' اللہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

برہنہ ہو کر طواف ممنوع قرار دے دیا گیا: ☆☆ (آیت: ۳۱) اس آیت میں مشرکین کا رد ہے کیونکہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف

کرتے تھے جیسے کہ پہلے گزرا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''ننگے مرد دن کو طواف کرتے اور ننگی عورتیں رات کو' اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ گو ظاہر ہو لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں۔' پس اس کے برعکس مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجدوں میں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ زینت کے لینے کو حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضائے مخصوصہ کو چھپالے اور جو اس کے سوا ہو مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ہے یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے' اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے' خصوصاً جمعہ اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی' کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے' جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' سفید کپڑے پہنو' وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے' وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔ سنن کی ایک اور حدیث میں ہے' سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو' وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں اور انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داریؓ نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی اور نماز کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب کو اور حکمت کو جمع کر دیا' ارشاد ہے کھاؤ پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔ ابن عباسؓ کا قول ہے جو چاہ کھا' جو چاہ پی لیکن دو باتوں سے بچ' اسراف اور تکبر۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے' کھاؤ' پیو' پہنو اور اوڑھو لیکن صدقہ بھی کرتے رہو اور تکبر اور اسراف سے بچتے رہو' اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے جسم پر دیکھے۔ آپ فرماتے ہیں کھاؤ اور صدقہ کرو اور اسراف سے اور خود نمائی سے رکو فرماتے ہیں انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا' انسان کو چند لقمے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے' کافی ہیں' اگر یہ بس میں نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے' ایک کھانے کے لئے' ایک پانی کے لئے' ایک سانس کے لئے۔ فرماتے ہیں' یہ بھی اسراف ہے کہ جو تو چاہے کھائے لیکن حدیث غریب ہے۔ مشرکین جہاں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وہاں زمانہ حج میں چربی کو بھی اپنے اوپر حرام جانتے تھے' اللہ نے دونوں باتوں کے خلاف حکم نازل فرمایا۔ یہ بھی اسراف ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کھانے کو حرام کر لیا جائے ۔ اللہ کی دی ہوئی حلال روزی بیشک انسان کھائے پیئے' حرام چیز کا کھانا بھی اسراف ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ حرام وحلال کی حدوں سے گزر نہ جاؤ' نہ حرام کو حلال کرو نہ حلال کو حرام کہو' ہر ایک حکم کو اسی کی جگہ پر رکھو ورنہ مسرف اور دشمن رب بن جاؤ گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ
الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲ قُلْ
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

پوچھ تو کہ اللہ تعالیٰ نے جو زینت اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور جو پاکیزہ روزیاں ہیں انہیں کس نے حرام کیا ہے؟ کہہ دے کہ یہ سب کچھ ایمان والوں کے لئے ہے زندگانی دنیا میں اور قیامت کے دن تو صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا' اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں' ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں ○ کہہ دے کہ میرے پروردگار نے کل بے حیائیوں کو خواہ کھلی ہوں خواہ چھپی حرام کر دی ہیں اور گناہ کو اور حق کی سرکشی کو اور اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہرانے کو جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری اور اللہ کا نام لے کر تمہارا وہ کہنا جو تم نہیں جانتے ○

آخر کار مومن ہی اللہ کی رحمت کا سزاوار ٹھہرا: ☆☆ (آیت:۳۲) کھانے پینے کی ان بعض چیزوں کو بغیر اللہ کے فرمائے حرام کر لینے والوں کی تردید ہو رہی ہے اور انہیں ان کے فعل سے روکا جا رہا ہے- یہ سب چیزیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہی تیار ہوئی ہیں' گو دنیا میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں' لیکن پھر قیامت کے دن یہ الگ کر دیئے جائیں گے اور صرف مومن ہی اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے- ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مشرک ننگے ہو کر اللہ کے گھر کا طواف کرتے تھے' سیٹیاں اور تالیاں بجاتے جاتے تھے- پس یہ آیات اتریں-

اثم اور بغی کیا فرق ہے: ☆☆ (آیت:۳۳) بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں- سورۂ انعام میں چھپی کھلی بے حیاؤں کے متعلق پوری تفسیر گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو حرام کر دیا ہے اور ناحق ظلم و تعدی' سرکشی اور غرور کو بھی اس نے حرام کیا ہے- پس ''اثم'' سے مراد ہر وہ گناہ ہے جو انسان آپ کرے اور ''بغی'' سے مراد وہ گناہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان کرے یا اس کی حق تلفی کرے- اسی طرح رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا بھی حرام ہے اور ذات حق پر بہتان باندھنا بھی' مثلاً اس کی اولاد بتانا وغیرہ- خلاف واقعہ باتیں بھی جہالت کی باتیں ہیں- جیسے فرمان ہے- فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ الخ بتوں کی نجاست سے بچو' الخ-

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے' پھر نہ تو ایک ساعت وہ پیچھے رہتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں ○ اے انسانو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول پہنچیں جو میرے احکام تم کو پڑھ کر سنائیں' تو جو لوگ پرہیزگاری اور اصلاح کر لیں' ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے اور نہ وہ اداس اور آزردہ ہوں گے ○ ہاں جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھیں' وہی دوزخی ہوں گے' جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

موت کی ساعت طے شدہ اور اٹل ہے: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۶) ہر زمانے اور ہر زمانے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے انتہائی مدت مقرر ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی' ناممکن ہے کہ اس سے ایک منٹ کی تاخیر ہو یا ایک لمحے کی جلدی ہو- انسانوں کو ڈراتا ہے کہ جب وہ

رسولوں سے ڈرانا اور رغبت دلانا سنیں تو بدکاریوں کو ترک کر دیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف جھک جائیں' جب وہ یہ کریں گے تو ہر کھٹکے' ہر ڈر' ہر خوف اور نا امیدی سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر اس کے خلاف کیا' نہ دل سے مانا نہ عمل کیا تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہیں پڑے جھلستے رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ۳۷

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' انہیں ان کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا حصہ تو ملے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئیں گے تو کہیں گے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے اور پوجتے رہے' وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے کہ وہ سب گم ہو گئے اور (یہ) اپنے کافر ہونے کے گواہ خود ہی بن جائیں گے ○

اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے: ☆☆ (آیت: ۳۷) واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو اللہ کے کلام کی آیات کو جھوٹا سمجھے' انہیں ان کا مقدر ملے گا۔ اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہوگی' ان کے منہ کالے ہوں گے' ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا' اللہ کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر' عمل' رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' وہ دنیا میں تو ملے گا۔ یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ الخ ہے کہ اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پاتے' گو دنیا میں کچھ فائدہ اٹھا لیں لیکن آخرکار ہمارے سامنے ہی پیش ہوں گے' اس وقت ان کے کفر کے بدلے ہم انہیں سخت سزا دیں گے۔ ایک آیت میں ہے' کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو' ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہوگا' پھر ہم خود انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کریں گے' اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے وہ تھوڑا سا دنیوی نفع اٹھا لیں' الخ۔ پھر فرمایا کہ ''ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان کو بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچا لیں' آج وہ کہاں ہیں؟ تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھوئے گئے' ہمیں ان سے اب کسی نفع کی امید نہیں رہی' پس اپنے کفر کا آپ ہی اقرار کر کے مرتے ہیں۔''

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو امتیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں' ان میں مل کر تم بھی جہنم میں جاؤ' جب کبھی جو امت جائے گی' وہ دوسری اپنی جیسی امت پر لعنت کرے گی' جب سب کے سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا' اب تو انہیں آگ کا دوہرا دوہرا عذاب دے' جواب ملے گا کہ ہر ایک کیلئے ہی دوہرا ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

کفار کی گردنوں میں طوق: ☆☆ (آیت:۳۸) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کو جو اللہ پر افترا باندھتے تھے' اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے' فرمائے گا کہ تم بھی اپنے جیسوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں خواہ انسانوں میں سے' جہنم میں جاؤ۔ فی النار' یا تو فی امم کا بدل ہے یا فی امم میں فی معنی میں مع کے ہے۔ ہر گروہ اپنے ساتھ کے اپنے جیسے گروہ پر لعنت کرے گا جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''تم ایک دوسرے سے اس روز کفر کرو گے۔'' اور آیت میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ یعنی وہ ایسا برا وقت ہو گا کہ گرو اپنے چیلوں سے دست بردار ہو جائیں گے' عذابوں کو دیکھتے ہی آپس کے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مرید لوگ اس وقت کہیں گے کہ اگر ہمیں بھی یہاں سے پھر واپس دنیا میں جانا مل جائے تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں' ہم بھی ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے کرتوت ان کے سامنے لائے گا جو ان کے لئے سراسر موجب حسرت ہوں گے اور یہ دوزخ سے کبھی آزاد نہ ہوں گے۔

یہاں فرماتا ہے کہ جب یہ سارے کے سارے جہنم میں جا چکیں گے تو پچھلے یعنی تابعدار اور مرید اور تقلید کرنے والے اگلوں سے یعنی جن کی وہ مانتے رہے' ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے' اس سے ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کرنے والے ان سے پہلے ہی جہنم میں موجود ہوں گے کیونکہ ان کا گناہ بھی بڑھا ہوا تھا' کہیں گے کہ یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر چنانچہ اور آیت میں ہے یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ الخ جبکہ ان کے چہرے آتش جہنم میں ادھر سے ادھر جھلسے جاتے ہوں گے' اس وقت حسرت وافسوس کرتے ہوئے کہیں گے' کہ کاش کہ ہم اللہ رسول کے مطیع ہوتے' یا اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی تابعداری کی جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا' یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر' انہیں جواب ملا کہ ہر ایک کے لئے دگنا ہے' یعنی ہر ایک کو اس کی برائیوں کا پورا پورا بدلہ مل چکا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا الخ' جنہوں نے کفر کیا اور راہ رب سے روکا' ان کا ہم عذاب اور زیادہ کریں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور آیت میں ہے' ان کے بوجھ ان پر لادے جائیں گے جن کو انہوں نے بے علمی سے گمراہ کیا۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸/۱۱

اس پر اگلے لوگ پچھلوں سے کہیں گے کہ لو تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں رہی' پس تم سب اپنے کئے کرتوت کے بدلے عذابوں کا مزہ چکھو ○

(آیت:۳۹) اب وہ جن کی مانی جاتی رہی' اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ جیسے ہم گمراہ تھے' تم بھی گمراہ ہوئے' اب اپنے کرتوت کا بدلہ اٹھاؤ۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ گنہگار اللہ کے

سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے‘ ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے ہوں گے‘ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بن جاتے‘ وہ جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ وہ تو تمہارے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی‘ بات یہ ہے کہ تم خود ہی گنہگار بدکردار تھے۔ یہ پھر کہیں گے کہ نہیں نہیں تمہاری دن رات کی چالاکیوں نے اور تمہاری اس تعلیم نے (کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں) ہمیں گم کردہ راہ بنا دیا‘ بات یہ ہے کہ سب کے سب اس وقت سخت نادم ہوں گے لیکن ندامت کو دبانے کی کوشش میں ہوں گے‘ کفار کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا نہ کم نہ زیادہ بلکہ (پورا پورا)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

ہماری آیات کو جھٹلانے والوں اور ان سے اکڑ بیٹھنے والوں کے لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں پہنچ سکیں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے‘ گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ○ ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی آگ ہی کا ہوگا‘ ہم ناانصافوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

بدکاروں کی روحیں دھتکاری جاتی ہیں: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) کافروں کے نہ تو نیک اعمال اللہ کی طرف چڑھیں‘ نہ ان کی دعائیں قبول ہوں‘ نہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدکاروں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور فرشتے انہیں لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں‘ وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بد سے بدنام لے کر بتاتے ہیں کہ فلاں کی‘ یہاں تک کہ یہ اسے آسمان کے دروازے تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کے لئے دروازہ کھولا نہیں جاتا۔

پھر حضور ﷺ نے آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ پڑھی۔ یہ بہت لمبی حدیث ہے جو سنن میں موجود ہے مومن کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ مسند احمد میں یہ حدیث پوری یوں ہے‘ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ ایک انصاری کے جنازے میں ہم حضورؐ کے ساتھ تھے‘ جب قبرستان پہنچے تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی ہم سب بیٹھ گئے اور اس طرح خاموش اور باادب تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں نبی ﷺ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھرا رہے تھے‘ تھوڑی دیر میں آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار ہم سے فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو‘ پھر فرمایا مومن جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہروں والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کا منہ آفتاب ہے‘ ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے‘ وہ آ کر مرنے والے مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں‘ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے‘ فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں‘ پھر حضرت ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں‘ اے اطمینان والی روح‘ اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل‘ یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح بدن سے نکل جاتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے اسی وقت ایک پلک جھپکنے کے برابر کی دیر میں وہ جنتی فرشتے اس

پاک روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں' اس میں ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نکلتی ہے کہ کبھی دنیا والوں نے نہ سونگھی ہو' اب یہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' فرشتوں کی جو جماعت انہیں ملتی ہے' وہ پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بہتر سے بہتر جو نام دنیا میں مشہور تھا' وہ لے کر کہتے ہیں فلاں کی' یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں دروازہ کھلوا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں' یہاں سے اس کے ساتھ اسے دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے' اسی طرح ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں' اللہ عزوجل فرماتا ہے' اس میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ کر اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی پس وہ روح لوٹا دی جاتی ہے' وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں؟ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے' پھر پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جو تم میں بھیجے گئے' کون تھے' وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ تھے صلی اللہ علیہ وسلم' فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا' وہیں آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے' اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو' اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو' پس اس کے پاس جنت کی ترو تازگی' اس کی خوشبو اور وہاں کی ہوا آتی رہتی ہے اور اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے' جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے اسے کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔ اس کے پاس ایک نہایت حسین و جمیل شخص لباس فاخرہ پہنے ہوئے خوشبو لگائے ہوئے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے' خوش ہو جا' یہی وہ دن ہے جس کا تجھے وعدہ دیا جاتا تھا۔ اسسے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے بھلائی پائی جاتی ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں' اب تو مومن آرزو کرنے لگتا ہے کہ اللہ کرے قیامت آج ہی قائم ہو جائے تاکہ میں جنت میں پہنچ کر اپنے مال اور اپنے اہل وعیال کو پالوں کافر' مشرک کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ۔ کافر کی جب دنیا کی آخر گھڑی آتی ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں' ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے' اس کی نگاہ تک اسے یہی نظر آتے ہیں' پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اے خبیث روح اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف چل' یہ سن کر وہ روح بدن میں چھپنے لگتی ہے جسے ملک الموت جبراً گھسیٹ کر نکالتے ہیں' اسی وقت وہ فرشتے ان کے ہاتھ سے ایک آنکھ جھپکنے میں لے لیتے ہیں اور اس جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے نہایت ہی سڑی ہوئی بدبو نکلتی ہے' یہ اسے لے کر چڑھنے لگتے ہیں فرشتوں کا جو گروہ ملتا ہے' اس سے پوچھتا ہے کہ یہ ناپاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کی روح جس کا بدترین نام دنیا میں تھا' انہیں بتاتے ہیں' پھر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھلوانا چاہتے ہیں مگر کھولا نہیں جاتا' پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت لاتفتح الخ' تلاوت فرمائی۔

جناب باری عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے' اس کی کتاب سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں رکھو' پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یعنی جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اسے یا تو پرندا چک لے جائیں گے یا ہوائیں کسی دور دراز کی ڈراؤنی ویران جگہ پر پھینک دیں گی قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں' تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے' افسوس مجھے اس کی بھی خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں بتا اس شخص کی بابت تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ یہ کہتا ہے آہ افسوس میں اس کا جواب بھی نہیں جانتا' اسی وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے اس غلام نے غلط کہا' اس کے لئے جہنم کی آگ بچھا

دو اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر کی طرف کھول دو وہاں سے اسے گرمی اور آگ کے جھونکے آنے لگتے ہیں' اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں' اس کے پاس ایک شخص نہایت مکروہ اور ڈراؤنی صورت والا' برے کپڑے پہنے بری بدبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اب اپنی برائیوں کا مزہ چکھ' اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا' یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے وحشت اور برائی ٹپک رہی ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں' یہ کہتا ہے' یا اللہ قیامت قائم نہ ہو انجام کار اسی روایت کی دوسری سند میں ہے کہ مومن کی روح کو دیکھ کر آسمان و زمین کے تمام فرشتے دعائے مغفرت و رحمت کرتے ہیں' اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتوں کی تمنا ہوتی ہے کہ اللہ کرے یہ روح ہماری طرف سے آسمان پر چڑھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کافر کی قبر میں اندھا' بہرا' گونگا فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی بڑے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے' پھر اسے جیسا وہ تھا' اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' فرشتہ دوبارہ اسے گرز مارتا ہے جس سے یہ چیخنے چلانے لگتا ہے جسے انسان اور جنات کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے' ابن جریر میں ہے کہ نیک صالح شخص سے فرشتے کہتے ہیں' اے مطمئن نفس جو طیب جسم میں تھا' تو تعریفوں والا بن کر نکل اور جنت کی خوشبو اور نسیم جنت کی طرف چل۔ اس اللہ کے پاس چل جو تجھ پر غصے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' دروازہ کھلواتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے' یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ اسے مرحبا کہہ کر وہی کہتے ہیں' یہاں تک کہ یہ اس آسمان میں پہنچتے ہیں جہاں اللہ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ برے شخص سے وہ کہتے ہیں' اے خبیث نفس! جو خبیث جسم میں تھا تو برا بن کر نکل اور تیز کھولتے ہوئے پانی اور لہو پیپ اور اسی قسم کے مختلف عذابوں کی طرف چل' اس کے نکلنے تک فرشتے اسے یہی سناتے رہتے ہیں' پھر اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں' اس خبیث کو مرحبا نہ ہو' یہ تھی بھی خبیث جسم میں' تو بد بن کر لوٹ جا' اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور آسمان و زمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے' پھر قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔

ابن جریج نے لکھا ہے کہ نہ ان کے اعمال چڑھیں نہ ان کی روحیں' اس سے دونوں قول مل جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد کے جملے میں جمہور کی قرات تو جَمَلُ ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ہیں' لیکن ایک قرات میں جُمَّلُ ہے' اس کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں۔ مطلب بہ ہر صورت ایک ہی ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر سکے نہ پہاڑ' اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا' ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے نیک اعمال کئے ناممکن ہے کہ ہماری طرف سے کسی پر وہ بوجھ ڈالا جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے' یہ لوگ جنتی ہیں اور یہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے! ☆☆ (آیت: ۴۲) اوپر گنہگاروں کا ذکر ہوا یہاں اب نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کے دل میں ایمان ہے اور جو اپنے جسم سے قرآن و حدیث کے مطابق کام کرتے ہیں بخلاف بدکاروں کے کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان اور نیکیاں انسان کے بس میں ہیں۔ اللہ کے احکام انسانی طاقت سے زیادہ نہیں

ہیں۔ ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں ہی رہیں گے۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان کے سینوں میں جو کینہ تھا' ہم نے سب نکال دیا' ان کے نیچے سے نہریں لہریں بہہ رہی ہیں' یہ کہیں گے کہ مکمل تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی' ہم تو اس کی راہ پا ہی نہ سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہبری نہ کرتا یقیناً ہمارے پاس رب کے رسول حق لائے' منادی کی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنے کئے ہوئے اعمال کے وارث بنا دیئے گئے ہو ○

(آیت:۴۳) ان کے دلوں میں سے آپس کی کدورتیں' حسد بغض دور کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حدیث میں ہے کہ مومن آگ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت و دوزخ کے درمیان ایک ہی پل پر روک دیئے جائیں گے وہاں ان کے آپس کے مظالم کا بدلہ ہو جائے گا اور پاک ہو کر جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے' واللہ وہ لوگ اپنے اپنے درجوں کو اور مکانوں کو اس طرح پہچان لیں گے جیسے دنیا میں جان لیتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اہل جنت دروازہ جنت پر ایک درخت دیکھیں گے جس کی جڑوں کے پاس سے دو نہریں بہہ رہی ہوں گی' یہ ان میں سے ایک کا پانی پئیں گے جس سے دلوں کی کدورتیں دھل جائیں گی' یہ شراب طہور ہے' پھر دوسری نہر میں غسل کریں گے جس سے چہروں پر تروتازگی آ جائے گی' پھر نہ تو بال بکھریں نہ سرمہ لگانے اور سنگھار کرنے کی ضرورت پڑے۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی جیسا قول مروی ہے جو آیت وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان شاء اللہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دل اللہ تعالیٰ صاف کر دے گا' فرماتے ہیں کہ ہم اہل بدر کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر جنتی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تا کہ وہ اور بھی شکر کرے اور وہ کہے گا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہدایت عنایت فرمائی۔ اور ہر جہنمی کو اپنا جنہم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تا کہ اس کی حسرت بڑھے' اس وقت وہ کہے گا' کاش کہ میں بھی راہ یافتہ ہوتا۔ پھر جنتیوں کو جنت کی جگہیں دے دی جائیں گی اور ایک منادی ندا کرے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنی نیکیوں کے وارث بنا دیئے گئے' یعنی تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں رحمت رب ملی اور رحمت رب سے تم داخل جنت ہوئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' یاد رکھو! تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا' لوگوں نے پوچھا' آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت و فضل میں ڈھانپ لے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جنتی جہنمیوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب کا جو وعدہ تھا' ہم نے اسے بالکل سچا پایا' کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں' پس اسی وقت ان کے درمیان ایک منادی ندا کرے گا کہ نا انصافوں پر اللہ کی لعنت ہے ○ جو راہ اللہ سے لوگوں کو روکتے رہے اور اسے ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرتے رہے' اور جو آخرت کے بھی منکر ہی رہے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۵) جنتی جب جنت میں جا کر امن چین سے بیٹھ جائیں گے تو دوزخیوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ان سے دریافت فرمائیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے کئے گئے تھے صحیح پایا' تم اپنی کہو- ''ان'' یہاں پر منسرہ ہے قول محذوف کا اور ''قد'' تحقیق کے لئے ہے- اس کے جواب میں مشرکین ندامت سے کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے تھے' ٹھیک پایا- جیسا سورۂ صافات میں فرمان ہے کہ اہل جنت میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو مجھ سے تعجب کے ساتھ سوال کیا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو قیامت کے قائل ہیں؟ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے' کیا واقعی ہی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور ہمیں بدلے دیئے جائیں گے؟ یہ کہہ کر وہ اوپر سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس ساتھی کو بیچ جہنم میں پائے گا' کہے گا قسم اللہ کی تو تو مجھے بھی تباہ کرنے ہی کو تھا اگر میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں بھی آج گرفتار عذاب ہوتا' اب بتاؤ دنیا میں جو کہا کرتا تھا' کیا سچا تھا کہ ہم مر کر جینے والے اور بدلہ بھگتنے والے ہی نہیں؟ اس وقت فرشتے کہیں گے' یہی وہ جہنم ہے جسے تم جھوٹا مان رہے تھے' اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں؟ اب یہاں پڑے جلتے بھنتے رہو' صبر اور بے صبری دونوں نتیجے کے اعتبار سے تمہارے لئے یکساں ہے' تمہیں اپنے کئے کا بدلہ پانا ہی ہے- اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ان مقتولوں کو جو بدر میں کام آئے تھے اور جن کی لاشیں ایک کھائی میں تھیں' ڈانٹا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اے ابوجہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ' اے شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے سرداروں کا بھی نام لیا اور فرمایا' کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وہ وعدے دیکھ لئے جو اس نے مجھ سے کئے تھے-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یارسول اللہؐ! آپ ان سے باتیں کر رہے ہیں جو مر کر مردار ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری بات کو تم بھی ان سے زیادہ نہیں سن رہے' لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے- پھر فرماتا ہے کہ اسی قت ایک منادی ندا کر کے معلوم کرا دے گا کہ ظالموں پر رب کی ابدی لعنت واقع ہو چکی' جو لوگوں کو راہ حق اور شریعت ہدیٰ سے روکتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ کی شریعت ٹیڑھی کر دیں تا کہ اس پر کوئی عمل نہ کرے' آخرت پر بھی انہیں یقین نہ تھا' اللہ کی ملاقات کو نہیں مانتے تھے' اسی لئے بے پرواہی سے برائیاں کرتے تھے' حساب کا ڈر نہ تھا' اس لئے سب سے زیادہ بدزبان اور بداعمال تھے-

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا
بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ
لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ
تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ ع ۸ ۱۲

ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے' اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کے چہروں کے نشان سے پہچانتے ہوں گے' وہ جنتیوں سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو گو وہ جنت میں نہیں گئے لیکن انہیں امید ہے ○ اور جب ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف جا پڑتی ہیں تو کہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر دینا○

جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) جنتیوں اور دوزخیوں کی بات بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک اور حجاب حد فاصل اور دیوار ہے کہ وہ دوزخیوں کو جنت سے فاصلے پر رکھے- اسی دیوار کا ذکر آیت فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ الخ میں ہے یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہے' اس کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے' اسی کا نام اعراف ہے- اعراف عرف کی جمع ہے' ہر اونچی زمین کو عرب میں عرفہ کہتے ہیں' اسی لئے مرغ کے سر کی کلنگ (کلغی) کو بھی عرب میں عرف الديك کہا جاتا ہے کیونکہ اونچی جگہ ہوتا ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ ایک اونچی جگہ ہے جنت دوزخ کے درمیان جہاں کچھ لوگ روک دیئے جائیں گے-

سدیؒ فرماتے ہیں' اس کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اور لوگوں کو جانتے پہچانتے ہیں' یہاں کون لوگ ہوں گے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں- سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ یہ لوگ ہوں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی' بعض سلف سے بھی یہی منقول ہے- حضرت حذیفہؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے یہی فرمایا ہے اور یہی بعد والے مفسرین کا قول ہے- ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن سنداً وہ حدیث غریب ہے ایک اور سند سے مروی ہے کہ حضورؐ سے جب ان لوگوں کی بابت جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں اور جو اعراف والے ہیں' سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو اپنے باپ کی اجازت بغیر نکلے' پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے- اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اور اپنے والدین کے نافرمان تھے' تو جنت میں جانے سے باپ کی نافرمانی نے روک دیا اور جہنم میں جانے سے شہادت نے روک دیا- ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایات ہیں اب اللہ ہی کو ان کی صحت کا علم ہے' بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف روایات ہوں' بہرصورت ان سے اصحاب اعراف کا حال معلوم ہو رہا ہے- حضرت حذیفہؓ سے جب ان کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر تھیں' برائیوں کی وجہ سے جنت میں نہ جا سکے اور نیکیوں کی وجہ سے جہنم سے بچ گئے' پس یہاں آڑ میں روک دیئے جائیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ان کے بارے میں سرزد ہو-

اور آیت میں آپ سے مروی ہے کہ یہ دوزخیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور اللہ سے نجات طلب کر رہے ہوں گے کہ اچانک

انکا رب ان کی طرف دیکھے گا اور فرمائے گا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ' میں نے تمہیں بخشا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا' کسی شخص ایک نیکی بھی اگر برائیوں سے بڑھ گئی تو وہ داخل جنت ہوگا اور اگر کسی کی ایک برائی بھی نیکیوں سے زیادہ ہوگئی تو دوزخ میں جائے گا پھر آپ نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ سے دو آیات تک تلاوت کیں اور فرمایا ایک رائی کے دانے کے برابر کی کمی زیادتی سے میزان کا پلڑا ہلکا بھاری ہو جاتا ہے اور جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر ہوئیں' یہ اعراف والے ہیں' یہ ٹھہرا لئے جائیں گے اور جنتی دوزخی مشہور ہو جائیں گے۔ یہ جب جنت کو دیکھیں گے تو اہل جنت پر سلام کریں گے اور جب جہنم کو دیکھیں گے تو اللہ سے پناہ طلب کریں گے۔ نیک لوگوں کو نور ملے گا جو ان کے آگے اور ان کے دائیں موجود رہے گا۔ ہر انسان کو وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں' ایک نور ملے گا لیکن پل صراط پر منافقوں کا نور چھین لیا جائے گا۔ اس وقت سچے مومن اللہ سے اپنے نور کے باقی رہنے کی دعائیں کریں گے۔ اعراف والوں کا نور چھینا نہیں جائے گا' وہ ان کے آگے آگے موجود ہوگا' انہیں جنت میں جانے کی طمع ہوگی۔ لوگو ایک نیکی دس گنی کر کے لکھی جاتی ہے اور برائی اتنی ہی لکھی جاتی ہے جتنی ہو' افسوس ان پر جن کی اکائیاں دہائیوں پر غالب آ جائیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اعراف ایک دیوار ہے جو جنت دوزخ کے درمیان ہے' اصحاب اعراف وہیں ہوں گے۔ جب انہیں عافیت دینے کا اللہ کا ارادہ ہوگا تو حکم ملے گا انہیں نہر حیات کی طرف لے جاؤ' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے جو موتیوں سے مرصع ہوں گے' اس کی مٹی مشک خالص ہوگی' اس میں غوطہ لگاتے ہی ان کی رنگتیں نکھر جائیں گی اور ان کی گردنوں پر ایک سفید چمکیلا نشان ہو جائے گا جس سے وہ پہچان لئے جائیں یہ اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو چاہو مانگو' یہ مانگیں گے یہاں تک کہ ان کی تمام تمنائیں اللہ تعالیٰ پوری کر دے گا' پھر فرمائے گا' ان جیسی ستر گنا اور نعمتیں بھی میں نے تمہیں دیں' پھر یہ جنت میں جائیں گے' وہ علامت ان پر موجود ہوگی جنت میں ان کا نام مساکین اہل جنت ہوگا۔ یہی روایت حضرت مجاہدؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم ایک حسن سند کی مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراف والوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ سب سے آخر میں ہوگا' رب العالمین جب اپنے بندوں کے فیصلے کر چکے گا تو ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں کو تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو محفوظ کر لیا لیکن تم جنت میں جانے کے حقدار ثابت نہیں ہوئے' اب تم کو میں اپنی طرف سے آزاد کرتا ہوں' جاؤ جنت میں رہو سہو اور جہاں چاہو کھاؤ پیؤ' یہ بھی کہا گیا کہ یہ زنا کی اولاد ہیں۔

ابن عساکر میں فرمان نبیؐ ہے کہ مومن جنوں کو ثواب ہے اور ان میں سے جو برے ہیں' انہیں عذاب بھی ہوگا' ہم نے ان کے ثواب اور ان کے ایمانداروں کی بابت حضورؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ اعراف میں ہوں گے' جنت میں میری امت کے ساتھ نہ ہوں گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ' اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کا ایک باغ جہاں نہریں جاری ہیں اور پھل پک رہے ہیں۔ (بیہقی) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ صالح دیندار فقہاء علما لوگ ہوں گے۔ ابومجلزؒ فرماتے ہیں' یہ فرشتے ہیں' جنت دوزخ والوں کو جانتے ہیں' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا سب جنتی جنت میں جانے لگیں گے تو کہا جائے گا کہ تم امن و امان کے ساتھ بے خوف و خطر ہو کر جنت میں جاؤ' اس کی سند گو ٹھیک ہے لیکن یہ قول بہت غریب ہے۔ کیونکہ روانی عبارت بھی اس کے خلاف ہے اور جمہور کا قول ہی مقدم ہے' کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے' حضرت مجاہدؒ کا قول بھی جو اوپر بیان ہوا' غرابت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں' صلحا' انبیاء' ملائکہ وغیرہ۔ یہ جنتیوں کو ان کے چہرے کی رونق اور سفیدی سے

اور دوزخیوں کو ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے- یہ یہاں اس لئے ہیں کہ ہر ایک کا امتیاز کرلیں اور سب کو پہچان لیں یہ جنتیوں سے سلام کریں گے جہنمیوں کو دیکھ دیکھ کر اللہ کی پناہ چاہیں گے اور طمع رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بھی بہشت بریں میں پہنچا دیں، یہ طمع ان کے دل میں اللہ نے اسی لئے ڈالا ہے کہ اس کا ارادہ انہیں جنت میں لے جانے کا ہو چکا ہے- جب وہ اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پروردگار ہمیں ظالموں میں سے نہ کر، جب کوئی جماعت جہنم میں پہنچائی جاتی ہے تو یہ اپنے بچاؤ کی دعائیں کرنے لگتے ہیں- جہنم سے ان کے چہرے کوئلے جیسے ہو جائیں گے لیکن جب جنت والوں کو دیکھیں گے تو یہ چیز چہروں سے دور ہو جائے گی- جنتیوں کے چہروں کی پہچان نورانیت ہوگی اور دوزخیوں کے چہروں پر سیاہی اور آنکھوں میں بھینگا پن ہوگا-

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِیۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾

اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ ان کے چہروں کے نشان سے پہچان لیں گے، کہیں گے کہ تمہیں تمہارے جمع جتھے نے تو کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور نہ تمہاری شیخی اور بڑائی کام آئی ○ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ کوئی رحمت نہ دے گا؟ تم جنت میں جاؤ، نہ تو تم پر کوئی ڈر خوف ہے اور نہ تم غمگین اور ہراساں ہوؤ گے ○

کفر کے ستون اور ان کا حشر: ☆☆ (آیت:۴۸-۴۹) کفر کے جن ستونوں کو، کافروں کے جن سرداروں کو اعراف والے ان کے چہروں سے پہچان لیں گے، انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے پوچھیں گے کہ آج تمہاری کثرت جمعیت کہاں گئی؟ اس نے تو تمہیں مطلقاً فائدہ نہ پہنچایا، آج وہ تمہاری اکڑفوں کیا ہوئی، تم تو بری طرح عذابوں میں جکڑ دیئے گئے- ان کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فرمایا جائے گا کہ بدبختو انہی کی نسبت تم کہا کرتے تھے کہ اللہ انہیں کوئی راحت نہیں دے گا- اے اعراف والو، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جاؤ، آرام و سکون اور بغیر کسی خطرے کے داخل ہو جاؤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعراف والوں کے اعمال صالحہ اس قابل نہ نکلے کہ انہیں جنت میں پہنچائیں، لیکن اتنی برائیاں بھی ان کی نہ تھیں کہ دوزخ میں جائیں، تو یہ اعراف پر ہی روک دیئے گئے، لوگوں کو ان کے اندازے سے پہچانتے ہوں گے-

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کر چکے گا، شفاعت کی اجازت دے گا، لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدمؑ، آپ ہمارے باپ ہیں، ہماری شفاعت اللہ تعالیٰ کی جناب میں کیجئے، آپ جواب دیں گے کہ بتاؤ کیا کہ میرے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہو، اپنی روح اس میں پھونکی ہو، اپنی رحمت اس پر اپنے غضب سے پہلے پہنچائی ہو، اپنے فرشتوں سے اسے سجدہ کرایا ہو؟ سب جواب دیں گے کہ نہیں ایسا کوئی آپ کے سوا نہیں، آپ فرمائیں گے میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا، ہاں تم میرے لڑکے ابراہیم کے پاس جاؤ- اب سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے- آپ جواب دیں گے، کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا اور کوئی خلیل اللہ ہوا ہو؟ یا اللہ کے بارے میں اس کی قوم نے آگ میں پھینکا ہو؟ سب کہیں گے نہیں، آپ کے سوا اور کوئی نہیں، فرمائیں گے مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں، میں تمہاری

درخواست شفاعت نہیں لے جا سکتا' تم میرے لڑکے موسیٰ کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ بتاؤ میرے سوا اللہ نے کسی کو اپنا کلیم بنایا' اپنی سرگوشیوں کے لئے نزدیکی عطا فرمائی؟ جواب دیں گے کہ نہیں' فرمائیں گے' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' میں تمہاری سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' ہاں تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت طلبی کا تقاضا کریں گے۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کسی کو اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا ہو؟ جواب ملے گا کہ نہیں۔ پوچھیں گے' جانتے ہو کہ کوئی مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم الٰہی میرے سوا اچھا کرتا ہو' یا کوئی مردہ کو بحکم الٰہ زندہ کر دیتا ہو؟ کہیں گے کہ کوئی نہیں' فرمائیں گے کہ میں تو آج اپنے نفس کے بچاؤ میں ہوں' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' مجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہاری سفارش کر سکوں' ہاں تم سب کے سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے' میں اپنا سینہ ٹھونک کر کہوں گا کہ ہاں ہاں میں اسی لئے موجود ہوں' پھر میں چل کر اللہ کے عرش کے سامنے ٹھہر جاؤں گا' اپنے رب عزوجل کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ایسی ایسی اس کی تعریفیں بیان کروں گا کہ کسی سننے والے نے کبھی نہ سنی ہوں' پھر سجدے میں گر پڑوں گا' پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو' قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا' میرے رب میری امت' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ سب تیری ہی ہے پھر تو ہر ہر پیغمبر اور ہر ایک فرشتہ رشک کرنے لگے گا' یہی مقام' مقام محمود ہے۔ پھر میں ان سب کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا' جنت کا دروازہ کھلواؤں گا اور وہ میرے لئے اور ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ پھر انہیں ایک نہر کی طرف لے جائیں گے جس کا نام نہر الحیوان ہے' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے محل ہیں جو یاقوت سے جڑاؤ کئے گئے ہیں' پھر وہ لوگ اس میں غسل کریں گے جس سے جنتی رنگ اور جنتی خوشبو ان میں پیدا ہو جائے گی اور چمکتے ہوئے ستاروں جیسے وہ نورانی ہو جائیں گے۔ ہاں ان کے سینوں پر سفید نشان باقی رہ جائیں گے' جس سے وہ پہچانے جائیں گے انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱

دوزخی لوگ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی بہا دو یا جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہی کچھ دیدو؟ وہ جواب دیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں ○ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دے رکھا تھا' پس آج ہم انہیں قصداً بھلا دیں گے جیسے کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور ہماری آیات سے انکار کرتے تھے ○

جیسی کرنی ویسی بھرنی: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) دوزخیوں کی ذلت وخواری اور ان کا بھیک مانگنا اور ڈانٹ دیا جانا بیان ہو رہا ہے' کہ وہ جنتیوں سے پانی یا کھانا مانگیں گے اور اپنے نزدیک کے رشتے کنبے والے جیسے باپ' بیٹے' بھائی' بہن وغیرہ سے کہیں گے کہ ہم جل

بھن رہے ہیں' بھوکے پیاسے ہیں' ہمیں ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ کھانا دے دو' جنتی بحکم الٰہی انہیں جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ کفار پر حرام ہے- ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سب سے افضل خیرات پانی ہے' دیکھو جہنمی اہل جنت سے اسی کا سوال کریں گے- مروی ہے کہ جب ابو طالب موت کی بیماری میں مبتلا ہوا تو قریشیوں نے اس سے کہا' کسی کو بھیج کر اپنے بھتیجے سے کہلواؤ کہ وہ تمہارے پاس جنتی انگور کا ایک خوشہ بھجوا دے تاکہ تیری بیماری جاتی رہے' جس وقت قاصد حضورؐ کے پاس آتا ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے' یہ سنتے ہی فرمانے لگے' اللہ نے جنت کی کھانے پینے کی چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں پھر ان کی بدکرداری بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین حق کو ایک ہنسی کھیل سمجھے ہوئے تھے' دنیا کی زینت اور اس کے بناؤ چناؤ میں ہی عمر بھر مشغول رہے- یہ چونکہ اس دن کو بھول گئے تھے' اس کے بدلے ہم بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو کسی بھول جانے والے کا معاملہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے' اس کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی- فرماتا ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی نہ وہ بہکے نہ بھولے-

یہاں جو فرمایا' یہ صرف مقابلہ کے لئے ہے جیسے فرمان ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ اور جیسے دوسری آیت میں ہے كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی فرمان ہے اَلْیَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا تیرے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں جنہیں تو بھلا بیٹھا تھا' اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا وغیرہ- پھر یہ بھلائیوں سے بالقصد بھلا دیئے جائیں گے- ہاں برائیاں اور عذاب برابر ہوتے رہیں گے' انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلایا' ہم نے انہیں آگ میں چھوڑا' رحمت سے دور کیا' جیسے یہ عمل سے دور تھے صحیح حدیث میں ہے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا' کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا عزت و آبرو نہیں دی تھی؟ کیا گھوڑے اور اونٹ تیرے مطیع نہیں کئے تھے؟ اور کیا تجھے قسم قسم کی راحتوں میں آزاد نہیں رکھا تھا؟ بندہ جواب دے گا کہ ہاں پروردگار بے شک تو نے ایسا ہی کیا تھا- اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پھر کیا تو میری ملاقات پر ایمان رکھتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پس میں بھی آج تجھے ایسا ہی بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھول گیا تھا-

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّ رَحْمَةً
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ
تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ
رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ
نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۶ ۱۲

ہم ان کے پاس کتاب لائے جس کی تفصیل ہم نے علم سے کی' ان لوگوں کی رہنمائی اور ان پر مہربانی کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ○ یہ تو اس کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا ہی انتظار کر رہے ہیں' جس دن اس کی حقیقت آ جائیگی تو اس سے پہلے جو اسے بھولے ہوئے تھے' وہ کہنے لگیں گے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے' کیا اب یہ ممکن ہے کہ ہمارے سفارشی ہوں جو ہماری سفارش کریں' یا ہو سکتا ہے کہ ہم پھر سے لوٹائے جائیں اور جو عمل ہم کرتے رہے' ان کے سوا

اور اعمال کریں' یقیناً انہوں نے اپنا نقصان آپ کیا اور ان سے ان کا باندھا ہوا جھوٹ وافترا کھو گیا O

آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ : ☆☆ (آیت:۵۲-۵۳) اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے تمام عذر ختم کر دیئے تھے اپنے رسولوں کی معرفت اپنی کتاب بھیجی جو مفصل اور واضح تھی- جیسے فرمان ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ الخ اس قرآن کی آیا تمضبوط اور تفصیل وار ہیں' پھر اس کی جو تفصیل ہے' وہ بھی علم پر ہے جیسے فرمان ہے اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ آیت اسی آیت پر جاتی ہی جس میں فرمان ہے کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ الخ یہ کتاب تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے' پس اس سے تیرے سینے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے- یہاں فرمایا وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ الخ لیکن یہ محل نظر ہے اس لئے کہ فاصلہ بہت ہے اور یہ قول بے دلیل ہے- درحقیقت جب ان کے اس خسارے کا ذکر ہوا جو انہیں آخرت میں ہوگا' تو بیان فرمایا کہ دنیا میں ہی ہم نے تو اپنا پیغام پہنچا دیا تھا' رسول بھی کتاب بھی- جیسے ارشاد ہے کہ جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا- کہ انہیں تو اب جنت اور دوزخ کے اپنے سامنے آنے کا انتظار ہے' یا یہ مطلب کہ اس کی حقیقت یکے بعد دیگرے روشن ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخری حقیقت یعنی جنت دوزخ ہی سامنے آ جائیں گی اور ہر ایک اپنے لائق مقام میں پہنچ جائے گا- قیامت والے دن یہ واقعات رونما ہو جائیں گے' اب جو سن رہے ہیں' اس وقت دیکھ لیں گے- اس وقت اسے فراموش کر کے بیٹھ رہنے والے عمل سے کورے لوگ مان لیں گے کہ بے شک اللہ کے انبیاء سچے تھے' رب کی کتابیں برحق تھیں' کاش اب کوئی ہمارا سفارشی کھڑا ہو اور ہمیں اس ہلاکت سے نجات دلائے' یا ایسا ہو کہ ہم پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو جو کام کئے تھے' اب اس کے خلاف کریں-

جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ الخ' کاش کہ ہم پھر دنیا میں لوٹائے جاتے' اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور مومن بن جاتے' اس سے پہلے جو وہ چھپا رہے تھے' اب ظاہر ہو گیا- حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا میں بھیجے بھی جائیں تو جس چیز سے روکے جائیں گے' وہی دوبارہ کریں گے اور جھوٹے ثابت ہوں گے انہوں نے آپ ہی اپنا برا کیا' اللہ کے سوا اوروں سے امیدیں رکھتے رہے' آج سب باطل ہو گئیں نہ کوئی ان کا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی حمایتی-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ
اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ
یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ
بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾

لوگو! بے شک تم سب کا پالنے والا وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا' پھر عرش پر بیٹھا' وہی رات پر دن کو اوڑھا دیتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی طلب کرتی آتی ہے' اسی نے آفتاب' مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا کہ یہ سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں' یاد رکھو پیدائش بھی اسی کی اور فرمانروائی بھی' بڑا ہی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء : ☆☆ (آیت:۵۴) بہت سی آیات میں یہ بیان ہوا کہ آسمان و زمین اور کل مخلوق اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں بنائی ہے یعنی اتوار سے جمعہ تک- جمعہ کے دن ساری مخلوق پیدا ہو چکی' اسی دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے' یا تو یہ دن دنیا کے معمولی دنوں کے برابر ہی تھے

جیسے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے فی الفور سمجھا جاتا ہے' یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا جیسے کہ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے اور بروایت ضحاک ابن عباسؓ کا قول ہے' ہفتہ کے دن کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی' اسی لئے اس کا نام عربی میں یوم السبت ہے' سبت کے معنی قطع کرنے' ختم کرنے کے ہیں۔

ہاں مسند احمد' نسائی اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے کہ اللہ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدمؑ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں عصر سے لے کر مغرب تک' حضورؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ گنوایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات دن تک پیدائش کا سلسلہ جاری رہا حالانکہ قرآن میں موجود ہے کہ چھ دن میں پیدائش ختم ہوئی - اسی وجہ سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ زبردست حفاظ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ عبارت حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب احبار سے لی ہے۔ فرمان رسولؐ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہوا - اس پر لوگوں نے بہت کچھ چہ میگوئیاں کی ہیں' جنہیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اس مقام میں سلف صالحین کی روش اختیار کی جائے۔ جیسے امام مالک' امام اوزاعی' امام ثوری' امام لیث' امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ وغیرہ ائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ۔ ان سب بزرگان دین کا مذہب یہی تھا کہ جیسی یہ آیت ہے' اسی طرح اسے رکھا جائے' بغیر کیفیت کے' بغیر تشبیہ کے اور بغیر مہمل چھوڑنے کے' ہاں تشبیہ دینے والوں کے ذہنوں میں جو چیز آ رہی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ پاک اور بہت دور ہے' اللہ کے مشابہ اس کی مخلوق میں سے کوئی نہیں۔ فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ اس کے مثل کوئی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے جو ائمہ کرام رحمتہ اللہ علیہم نے فرمائی ہے۔ انہی میں سے حضرت نعیم بن حماد خزاعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں' آپ حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں' فرماتے ہیں' جو شخص اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے' وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کے اس وصف سے انکار کرے جو اس نے اپنی ذات پاک کے لئے بیان فرمایا ہے' وہ بھی کافر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے جو اوصاف ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے بیان فرمائے ہیں' ان میں ہرگز تشبیہ نہیں۔ پس صحیح ہدایت کے راستے پر وہی ہے جو آثار صحیحہ اور اخبار صریحہ سے جو اوصاف رب العزت وحدہ لاشریک لہ کے ثابت ہیں' انہیں اسی طرح جانے جو اللہ کی جلالت شان کے شایان ہے اور ہر عیب ونقصان سے اپنے رب کو پاک اور مبرا ومنزہ سمجھے۔

پھر فرمان ہے کہ رات کا اندھیرا دن کے اجالے سے اور دن کا اجالا رات کے اندھیرے سے دور ہو جاتا ہے' ہر ایک دوسرے کے پیچھے لپکا چلا آتا ہے' یہ گیا' وہ آیا' وہ گیا' یہ آیا۔ جیسے فرمایا وَآيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ الخ' ان کے سمجھنے کے لئے ہماری ایک نشانی رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے یہ اندھیرے میں آ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف برابر جا رہا ہے' یہ ہے اندازہ اللہ کا مقرر کیا ہوا جو غالب اور باعلم ہے۔ اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا ہو کر رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب ماہتاب سے آگے نکل سکتا ہے نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے' سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔ رات دن میں کوئی فاصلہ نہیں' ایک کا جانا ہی دوسرے کا آ جانا ہے' ہر ایک دوسرے کے برابر پیچھے ہے وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ کو بعض نے پیش سے بھی پڑھا ہے۔ معنی مطلب دونوں صورت میں قریب قریب برابر ہے۔ یہ سب اللہ کے زیر فرمان' اس کے ماتحت اور اس کی ارادے میں ہیں' ملک اور تصرف اسی کا ہے' وہ برکتوں والا اور تمام جہان کا پالنے والا ہے فرمان

ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس کسی نے کسی نیکی پر اللہ کی حمد نہ کی بلکہ اپنے نفس کو سراہا' اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال غارت ہوئے اور جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ نے کچھ اختیارات اپنے بندوں کو بھی دیئے ہیں تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمایا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ الخ (ابن جریر)

ایک مرفوع دعا رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے اللھم لك الملك كله ولك الحمد كله واليك يرجع الامر كله اسألك من الخير كله واعوذبك من الشر كله یا اللہ سارا ملک تیرا ہی ہے' سب حمد تیرے لئے ہی ہے' سب کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں' میں تجھ سے تمام بھلائیاں طلب کرتا ہوں اور ساری برائیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٥٥﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٦﴾

اپنے رب کی عبادت کرو عاجزی سے اور چھپا کر' بیشک وہ حد سے گذر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس کی عبادت کرو ڈر اور لالچ کے ساتھ' بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے بہت نزدیک ہے ○

انسان دعا مانگے قبول ہوگی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کی ہدایت کرتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کو عاجزی' مسکینی اور آہستگی سے پکارو جیسے فرمان ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ الخ' اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازیں بہت بلند کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکار رہے ہو' وہ بہت سننے والا اور بہت نزدیک ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پوشیدگی مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' تَضَرُّعًا کے معنی ذلت اور مسکینی اور اطاعت گذاری کے ہیں اور خفية کے معنی دلوں کے خشوع وخضوع سے' یقین کی صحت سے' اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اس کے اور اپنے درمیان یقین رکھتے ہوئے پکارو' نہ کہ ریاکاری کے ساتھ بہت بلند آواز سے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے تھے اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا' لوگ بہت بڑے فقیہ ہو جاتے تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا' لوگ لمبی لمبی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور مہمانوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا' یہ وہ لوگ تھے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا اپنی کسی نیکی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے' پوری کوشش سے دعائیں کرتے تھے' لیکن اس طرح جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو' یہ نہیں کہ چیخیں چلائیں یہی فرمان رب ہے کہ اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر کیا جس سے وہ خوش تھا کہ اس نے اپنے رب کو خفیہ طور پر پکارا۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' دعا میں بلند آواز' ندا اور چیخنے کو مکروہ سمجھا جاتا تھا بلکہ گریہ وزاری اور آہستگی کا حکم دیا جاتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' دعا وغیرہ میں حد سے گزر جانے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔

ابومجلزؒ کہتے ہیں مثلاً اپنے لئے نبی بن جانے کی دعا کرنا وغیرہ۔ حضرت سعد نے سنا کہ ان کا لڑکا اپنی دعا میں کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کے ریشم و حریر وغیرہ وغیرہ طلب کرتا ہوں۔ اور جہنم' اس کی زنجیروں اور اس کے طوق وغیرہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو حضرت سعد نے فرمایا تو نے اللہ سے بہت سی بھلائیاں طلب کیں اور بہت سی برائیوں سے پناہ چاہی' میں نے رسول اللہ ﷺ

سے سنا ہے' آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے گزر جایا کریں گے - ایک سند سے مروی ہے کہ وہ دعا مانگنے میں اور وضو کرنے میں حد سے نکل جائیں گے - پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تجھے اپنی دعا میں یہی کہنا کافی ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول وفعل کی توفیق طلب کرتا ہوں اور جہنم اور اس سے نزدیک کرنے والے قول وفعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں (ابوداؤد)

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' ان کے صاحبزادے اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے کہ یا اللہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت کی دائیں جانب کا سفید رنگ کا عالیشان محل میں تجھ سے طلب کرتا ہوں پھر زمین پر امن وامان کے بعد فساد کرنے کو منع فرما رہا ہے کیونکہ اس وقت کا فساد خصوصیت سے زیادہ برائیاں پیدا کرتا ہے - پس اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عبادت کرنے کا' دعا کرنے کا' مسکینی اور عاجزی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اللہ کو اس کے عذابوں سے ڈر کر اور اس کی نعمتوں کے امیدوار بن کر پکارو - اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے سروں پر منڈلا رہی ہے' جو اس کے احکام بجالاتے ہیں' اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں جیسے فرمایا وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ یوں تو میری رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن میں اسے مخصوص کردوں گا پرہیزگار لوگوں کے لئے - چونکہ رحمت ثواب کی ضامن ہوتی ہے' اس لئے قریب کہا قریبۃ نہ کہا یا اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف مضاف ہے - انہوں نے اللہ کے وعدوں کا سہارا لیا - اللہ نے اپنا فیصلہ کر دیا کہ اس کی رحمت بالکل قریب ہے -

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى
اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ
الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ
رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۷ / ۵ / ۱۴

وہ ہے جو بار[illegible]رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف سے لے جاتے ہیں' پھر ہم اس میں سے پانی اتارتے ہیں اور اس میں سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں' اسی طرح مردوں کو بھی نکالیں گے تاکہ تم غور وفکر کرو - پاک شہر کی تو پیداوار اس کے رب کے حکم سے نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے ناقص ہی نکلتی ہے' اسی طرح ہم طرح طرح سے اپنی دلیلیں ان کے سامنے بیان کرتے ہیں جو شکرگزار ہیں ○

تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اوپر بیان ہوا کہ زمین وآسمان کا خالق اللہ ہے سب پر قبضہ رکھنے والا' حاکم' تدبیر کرنے والا' مطیع اور فرمانبردار رکھنے والا اللہ ہی ہے - پھر دعائیں کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے - اب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رزاق بھی وہی ہے اور قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر دینے والا بھی وہی ہے - پس فرمایا کہ بارش سے پہلے بھینی بھینی خوشگوار ہوائیں وہی چلاتا ہے بُشْرًا کی دوسری قرات مُبَشِّرَاتٍ بھی ہے - رحمت سے مراد یہاں بارش ہے جیسے فرمان ہے وَهُوَ

الَّذِی یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش اتارتا ہے اور اپنی رحمت کی ریل پیل کر دیتا ہے' وہ والی ہے اور قابل تعریف - ایک اور آیت میں ہے' رحمت رب کے آثار دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو وہ جلا دیتا ہے' وہی مردہ انسانوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے- بادل جو پانی کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں' انہیں یہ ہوائیں اٹھائے چلتی ہیں' یہ زمین سے بہت قریب ہوتے ہیں اور سیاہ ہوتے ہیں-

چنانچہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کے شعروں میں ہے' میں اس کا مطیع ہوں جس کے اطاعت گزار میٹھے اور صاف پانی کے بھرے ہوئے بادل ہیں اور جس کے تابع فرمان بھاری بوجھل پہاڑوں والی زمین ہے- پھر ہم ان بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے چلتے ہیں جس میں کوئی سبزہ نہیں' خشک اور بنجر ہے جیسے آیت وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ میں بیان ہوا ہے- پھر اس سے پانی برسا کر اسی غیر آباد زمین کو سرسبز بنا دیتے ہیں- اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے حالانکہ وہ بوسیدہ ہڈیاں اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل گئے ہوں گے' قیامت کے دن ان پر اللہ عزوجل بارش برسائے گا' چالیس دن تک برابر برستی رہے گی جس سے جسم قبروں میں اگنے لگیں گے جیسے دانہ زمین پر اگتا ہے' یہ بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے- قیامت کی مثال بارش کی پیداوار سے دی جاتی ہے- پھر فرمایا' یہ تمہاری نصیحت کے لئے ہے- اچھی زمین میں سے پیداوار عمدہ بھی نکلتی ہے اور جلدی بھی' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور جو زمین خراب ہے جیسے' سنگلاخ زمین' شور زمین وغیرہ اس کی پیداوار بھی ویسی ہی ہوتی ہے' یہی مثال مومن و کافر کی ہے-

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر بہت زیادہ بارش ہوئی' زمین کے ایک صاف عمدہ ٹکڑے نے تو پانی قبول کیا' گھاس اور چارہ بہت سا اس میں سے نکلا' ان میں بعض ٹکڑے ایسے بھی تھے جن میں پانی جمع ہو گیا اور وہاں رک گیا پس اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا' پیا اور پلایا' کھیتیاں کیں' باغات تازہ کئے- زمین کے جو چٹیل سنگلاخ ٹکڑے تھے' ان پر بھی وہ پانی برسا لیکن نہ تو وہاں رکا نہ وہاں کچھ اگا' یہی مثال اس کی ہے جس نے دین حق کی سمجھ پیدا کی اور میری بعثت سے اس نے فائدہ اٹھایا' خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے سر ہی نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت ہی نہ لی جو میری معرفت بھیجی گئی-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا' اے میری قوم کے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' مجھے تو تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر

ہے O اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے بالکل کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں O اس نے کہا' اے میری قوم مجھے کوئی گمراہی نہیں بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں O تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور اللہ کی وہ باتیں میں جانتا ہوں جن سے تم محض بے خبر ہو O

پھر تذکرہ انبیاء : ☆☆ (آیت:۵۹-۶۲) چونکہ سورت کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا تھا' پھر اس کے متعلقات بیان ہوئے اور اس کے متصل اور بیانات فرما کر اب پھر اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے بیان کا آغاز ہوا اور پے در پے ان کے بیانات ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اہل زمین کی طرف آپ ہی آئے تھے۔ آپ نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ (یعنی ادریس علیہ السلام' یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا) بن برد بن مہلیل بن قنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ائمہ نسب جیسے امام محمد بن اسحاقؒ وغیرہ نے آپ کا نسب نامہ اسی طرح بیان فرمایا ہے' امام صاحب فرماتے ہیں' حضرت نوحؑ جیسا کوئی اور نبی امت کی طرف سے نہیں ستایا گیا' ہاں انبیاء قتل ضرور کیے گئے' انہیں نوح اسی لئے کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کا رونا بہت روتے تھے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس زمانے تھے جو اسلام پر گزرے تھے۔ اصنام پرستی کا رواج اسی طرح شرع ہوا کہ جب اولیاء اللہ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان میں ان بزرگوں کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کا حال اور ان کی عبادت کا نقشہ سامنے رہے اور اپنے آپ کو ان جیسا بنانے کی کوشش کریں' لیکن کچھ زمانے کے بعد ان تصویروں کے مجسمے بنا لئے' کچھ اور زمانے کے بعد انہی بتوں کو پوجا کرنے لگے اور ان کے نام انہی اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھ لئے' ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر وغیرہ جب بت پرستی کا رواج ہو گیا' اللہ نے اپنے رسول حضرت نوحؑ کو بھیجا' آپ نے انہیں اللہ واحد کی عبادت کی تلقین کی اور کہا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن تمہیں عذاب نہ ہو۔ قوم نوح کے بڑوں نے' ان کے سرداروں نے اور ان کے چودھریوں نے حضرت نوحؑ کو جواب دیا کہ تم تو بہک گئے ہو' ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے ہٹا رہے ہو۔ ہر بد شخص نیک لوگوں کو گمراہ سمجھا کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب یہ بدکاران نیک کاروں کو دیکھتے ہیں' کہتے ہیں کہ یہ تو بہکے ہوئے ہیں' کہا کرتے تھے کہ اگر یہ دین اچھا ہوتا تو ان سے پہلے ہم نہ مان لیتے؟ یہ تو بات ہی غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بہکا ہوا نہیں ہوں' بلکہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہیں پیغام رب پہنچا رہا ہوں' تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی وہ باتیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہر رسول مبلغ' فصیح' بلیغ' ناصح' خیر خواہ اور عالم باللہ ہوتا ہے' ان صفات میں اور کوئی ان کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اے لوگو! تم میری بابت اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا' ہم کہیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی تھی اور حق رسالت ادا کر دیا تھا اور پوری خیر خواہی کی تھی' پس آپ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر نیچے زمین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا' یا اللہ تو گواہ رہ' اے اللہ تو شاہد رہ' یا اللہ تو گواہ رہ۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوهُ
فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ ع ۸ / ۱۵

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تم میں سے ایک شخص پر تمہارے رب کی طرف سے ارشاد و پند نازل ہوئی کہ وہ تمہیں آگاہ کر دے تا کہ تم غضب اللہ سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے ○ پس انہوں نے اسے جھٹلایا' آخرش ہم نے اسے نجات بخشی اور اس کی کشتی کے ساتھیوں کو بھی اور ہماری آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا' وہ تھے ہی نابینا لوگ ○

نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟ ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ تم اس بات کو انوکھا اور تعجب والا نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے کسی انسان پر اپنی وحی نازل فرمائے اور اسے اپنی پیغمبری سے ممتاز کر دے تا کہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے' پھر تم شرک و کفر سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نجات پالو اور تم پر گوناگوں رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ان دلیلوں اور وعظوں نے ان سنگدلوں پر کوئی اثر نہ کیا' یہ انہیں جھٹلاتے رہے' مخالفت سے باز نہ آئے' ایمان قبول نہ کیا' صرف چند لوگ سنور گئے۔ پس ہم نے ان نیک لوگوں کو اپنے نبی کے ساتھ کشتی میں بٹھا کر طوفان سے نجات دی اور باقی لوگوں کو تہہ آب غرق کر دیا۔ جیسے سورۂ نوح میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے باعث غرق کر دیئے گئے' پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی کسی قسم کی مدد کرتا' یہ لوگ حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے' نابینا ہو گئے تھے' راہ حق کو وہ آخر تک نہ پہچان سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبیؑ کو' اپنے دوستوں کو نجات دی' اپنے اور ان کے دشمنوں کو تہہ آب برباد کر دیا' جیسے اس کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی ضرور مدد فرمایا کرتے ہیں۔ دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ان کی امداد کرتا ہے' ان پرہیزگاروں کے لئے ہی عافیت ہے' انجام کار غالب اور مظفر و منصور یہی رہتے ہیں' جیسے کہ نوح علیہ السلام آخر کار غالب رہے اور کافر ناکام و نامراد ہوئے' یہ لوگ تنگ پکڑ میں آ گئے اور غارت کر دیئے گئے صرف اللہ کے رسولؐ کے اسی (۸۰) آدمیوں نے نجات پائی۔ ان ہی میں ایک صاحب جرہم نامی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے متصلاً مروی ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۗ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

عادیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں

ہو؟ ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو نری بیوقوفی میں ہے اور ہمارے خیال میں تو' تو ہے ہی جھوٹے لوگوں میں سے ○ ہود نے کہا' میری قوم کے لوگو! مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو تمام جہان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور ہوں بھی تمہارا دلی' خیرخواہ اور امانت دار ہوں ○ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ کہ تم میں سے ایک کی معرفت ذکر اللہ تم تک پہنچا دی کہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے؟ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور تن و توش کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا' پس تم اللہ کے احسانات یاد رکھو تاکہ تم فلاح و نجات پاؤ ○

ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ! ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۹) فرماتا ہے کہ جیسے قوم نوح کی طرف حضرت نوحؑ کو ہم نے بھیجا تھا قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا' یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے' یہ عاد اولیٰ ہیں' یہ جنگل میں ستونوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے رب نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے' دوسرے شہروں میں جن کی مانند لوگ پیدا ہی نہیں کئے گئے' یہ لوگ بڑے قوی' طاقتور اور لانبے چوڑے قد کے تھے' جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟ کیا انہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ طاقت والا ہے' وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے' ان کے شہر یمن میں احقاف تھے' یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علیؓ نے حضرموت کے ایک شخص سے کہا کہ تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہوگا جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے' اس کے آس پاس پیلو اور بیری کے درخت بکثرت ہیں' وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضرموت میں ہے' اس نے کہا امیرالمومنین آپ تو اس طرح کے نشان بتا رہے ہیں گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے' آپ نے فرمایا' نہیں دیکھا تو نہیں' لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں' اسی لئے ان کے پیغمبرؑ وہیں مدفون ہیں' آپ ان سب میں شریف قبیلے کے تھے۔ اس لئے انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں' لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور پر سخت اور زوردار تھی' اسی طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی۔ جب اپنے نبی کی زبانی اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت سنی تو لوگوں کی بھاری اکثریت اور ان کے سردار اور بڑے بول اٹھے کہ تو تو پاگل ہو گیا ہے' ہمیں اپنے بتوں کی ان خوبصورت تصویروں کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔ (یہی تعجب قریش کو ہوا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے سارے معبودوں کی عبادت سے ہٹا کر ایک کی عبادت کی دعوت کیوں دی؟)

حضرت ہودؑ نے انہیں جواب دیا کہ مجھ میں تو بے وقوفی کی بفضلہ کوئی بات نہیں' میں جو کہہ رہا ہوں' وہ اللہ کا فرمودہ ہے اس لئے کہ میں رسول اللہ ہوں' رب کی طرف سے حق لایا ہوں' وہ رب ہر چیز کا مالک سب کا خالق ہے' میں تو تمہیں کلام اللہ پہنچا رہا ہوں' تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور امانت داری سے حق رسالت ادا کر رہا ہوں۔ یہی وہ صفتیں ہیں جو تمام رسولوں میں یکساں ہوتی ہیں' یعنی پیغام حق پہنچانا' لوگوں کی بھلائی چاہنا اور امانتداری کا نمونہ بننا۔ تم میری رسالت پر تعجب نہ کرو بلکہ اللہ کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تم میں سے ایک فرد کو اپنا پیغمبر بنایا کہ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرا دے' تمہیں رب کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں ہلاک ہونے والوں کے بقایا میں سے بنایا' تمہیں باقی رکھا' اتنا ہی نہیں بلکہ تمہیں قوی ہیکل' مضبوط اور طاقتور کر دیا۔ یہی نعمت حضرت طالوت پر تھی کہ انہیں جسمانی اور علمی کشادگی دی گئی تھی۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تاکہ نجات حاصل کر سکو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾

وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ جا اگر تو سچا ہے تو جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے انہیں لے آ ○

قوم عاد کا باغیانہ رویہ: ☆☆ (آیت: ۷۰) قوم عاد کی سرکشی، تکبر، ضد اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ ہم اللہ واحد کے پرستار بن جائیں اور باپ دادوں کے پرانے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ سنو اگر یہی مقصود ہے تو اس کا پورا ہونا محال ہے، ہم تیار ہیں، اگر تم سچے ہو تو اپنے اللہ سے ہمارے لئے عذاب طلب کرو۔ یہی کفار مکہ نے کہا تھا، کہنے لگے کہ یا اللہ محمد کا کہا حق ہے اور وہ واقعی تیرا کلام ہے اور ہم نہیں مانتے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا، کوئی اور سخت المناک عذاب ہمیں کر۔ قوم عاد کے بتوں کے نام یہ ہیں، صد، صمو دھبا، ان کی اس ڈھٹائی کے مقابلے میں اللہ کا عذاب اور اس کا غضب ثابت ہو گیا۔ رجس سے مراد رجز، یعنی عذاب ہے ناراضی اور غصے کے معنی یہی ہیں۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ
اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع ۱۷

ہود نے کہا، یقیناً تم پر تمہارے رب کی جانب سے بلا اور غضب پڑ ہی چکا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں کی خاطر لڑ بھڑ رہے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کر لئے ہیں، جن کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری، اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ آخر ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ایمان قبول کرنے والے نہ تھے ○

(آیت: ۷۱-۷۲) پھر فرمایا تم ان بتوں کی بابت مجھ سے جھگڑ رہے ہو جن کے نام بھی تم نے خود رکھے ہیں، یا تمہارے بڑوں نے اور خواہ مخواہ بے وجہ انہیں معبود سمجھ بیٹھے ہو، یہ پتھر کے ٹکڑے محض بے ضرر اور بے نفع ہیں، نہ اللہ نے ان کی عبادت کی کوئی دلیل اتاری ہے، ہاں اگر تم مقابلے پر اتر ہی آئے ہو تو منتظر رہو میں بھی منتظر ہوں، ابھی معلوم ہو جائے گا کہ مقبول بارگاہ رب کون ہے اور مردود بارگاہ کون ہے؟ کون مستحق عذاب ہے اور کون قابل ثواب ہے؟ آخرش ہم نے اپنے نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی اور کافروں کی جڑیں کاٹ دیں۔ قرآن کریم کے کئی مقامات پر جناب باری عزوجل نے ان کی تباہی کے صورت بیان فرمائی ہے، کہ ان ہر خیر سے خالی، تند اور تیز ہوائیں بھیجی گئیں جنہوں نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو غارت اور برباد کر دیا۔ عاد لوگ بڑے زناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے، جو ان پر برابر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی، سارے کے سارے اس طرح ہو گئے جیسے

کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں۔ دیکھ لے ان میں سے ایک بھی اب نظر آ رہا ہے؟ ان کی سرکشی کی سزا میں سرکش ہوا ان پر مسلط کر دی گئی جو ان میں سے ایک ایک کو اٹھا کر آسمان کی بلندی کی طرف لے جاتی اور وہاں سے گراتی جس سے سر الگ ہو جاتا اور دھڑ الگ گر جاتا۔ یہ لوگ یمن کے ملک میں' عمان اور حضر موت میں رہتے تھے۔ ادھر ادھر نکلتے اور لوگوں کو مار پیٹ کر جبراً وقہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے' سارے کے سارے بت پرست تھے حضرت ہودؑ جو ان کے شریف خاندانی شخص تھے' ان کے پاس رب کی رسالت لے کر آئے' اللہ کی توحید کا حکم دیا' شرک سے روکا' لوگوں پر ظلم کرنے کی برائی سمجھائی' لیکن انہوں نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا' مقابلے پر تن گئے اور اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے۔

گو بعض لوگ ایمان لائے تھے لیکن وہ بھی بیچارے جان کے خوف سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے' باقی لوگ بدستور اپنی بے ایمانی اور ناانصافی پر جمے رہے' خواہ مخواہ فوقیت ظاہر کرنے لگے' بیکار عمارتیں بناتے اور پھولے نہ سماتے۔ ان سب کاموں کو اللہ کے رسول (حضرت ہود) ناپسند فرماتے' انہیں روکتے' تقویٰ کی اور اطاعت کی ہدایت کرتے' لیکن یہ کبھی تو انہیں بے دلیل بتاتے' کبھی انہیں مجنوں کہتے۔ آپ اپنی برات ظاہر کرتے اور ان سے صاف فرماتے کہ مجھے تمہاری قوت و طاقت کا مطلقاً خوف نہیں' جاؤ تم سے جو ہو سکے کر لو' میرا بھروسہ اللہ پر ہے' اس کے سوا نہ کوئی بھروسے کے لائق' نہ عبادت کے قابل' ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز پست اور لاچار ہے' سچی راہ اللہ کی راہ ہے آخر جب یہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے تو ان پر بارش نہ برسائی گئی تین سال تک قحط سالی رہی' زچ ہو گئے' تنگ آ گئے' آخر یہ سوچا کہ چند آدمیوں کو بیت اللہ شریف بھیجیں' وہ وہاں جا کر اللہ سے دعائیں کریں۔ یہی ان کا دستور تھا کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو وہاں وفد بھیجتے۔ اس وقت ان کا قبیلہ عمالیق حرم شریف میں بھی رہتا تھا' یہ لوگ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی نسل میں سے تھے' ان کا سردار اس زمانے میں معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی ماں قوم عاد سے تھی جس کا نام جاہدہ بنت خبیری تھا۔

عادیوں نے اپنے ہاں سے ستر اشخاص کو منتخب کر کے بطور وفد مکے شریف کو روانہ کیا' یہاں آ کر یہ معاویہ کے مہمان بنے' پرتکلف دعوتوں کے اڑانے' شراب خوری کرنے اور معاویہ کی دو لونڈیوں کا گانا سننے میں اس بے خودی سے مشغول ہو گئے کہ پورا ایک مہینہ گذر گیا' انہیں اپنے کام کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی' معاویہ ان کی یہ روش دیکھ کر اور اپنی قوم کی بری حالت سامنے رکھ کر بہت کڑھتا تھا' لیکن یہ مہمان نوازی کے خلاف تھا کہ خود ان سے کہتا کہ جاؤ۔ اس لئے اس نے کچھ اشعار کہے اور ان ہی دونوں کنیزوں کو یاد کرائے کہ وہ یہی گا کر انہیں سنائیں۔ ان شعروں کا مضمون یہ تھا کہ اے لوگو جو قوم کی طرف سے اللہ سے دعائیں کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو' اللہ عادیوں پر بارش برسائے جو آج قحط سالی کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں' بوڑھے بچے' مرد' عورتیں تباہ حال پھر رہے ہیں یہاں تک کہ بولنا چالنا ان پر دوبھر ہو گیا ہے۔ جنگلی جانور آن کی آبادیوں میں پھر رہے ہیں کیونکہ کسی عادی میں اتنی قوت کہاں کہ وہ تیر چلا سکے' لیکن افسوس کہ تم یہاں اپنے من مانے مشغلوں میں منہمک ہو گئے اور بے فائدہ وقت ضائع کرنے لگے' تم سے زیادہ برا وفد دنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ یاد رکھو اگر اب بھی تم نے مستعدی سے قومی خدمت نہ کی تو تم برباد اور غارت ہو جاؤ گے' یہ سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے' یہ حرم میں گئے اور دعائیں مانگنا شروع کیں اللہ تعالیٰ نے تین بادل ان کے سامنے پیش کئے۔ ایک سفید' ایک سیاہ' ایک سرخ' اور ایک آواز آئی کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو' قیل بن عنز نے سیاہ بادل پسند کیا' آواز آئی کہ تو نے سیاہ بادل پسند کیا جو عادیوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑے گا نہ باپ کو نہ بیٹے کو' سب کو غارت کر دے گا سوائے بنی لوذیہ کے۔ یہ بنی لوذیہ بھی عادیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مکے میں مقیم تھے' ان پر وہ عذاب نہیں آئے تھے' یہی باقی

رہے اور انہی میں سے عاد اُخریٰ ہوئے' اس وفد کے سردار نے سیاہ بادل پسند کیا تھا جو اسی وقت عادیوں کی طرف چلا' اس شخص کا نام قیل بن غز تھا۔ جب یہ بادل عادیوں کے میدان میں پہنچا جس کا نام مغیث تھا تو اسے دیکھ کر وہ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ ابر سے پانی ضرور برسے گا' حالانکہ یہ وہ تھا جس کی یہ لوگ نبی کے مقابلہ میں جلدی مچا رہے تھے' جس میں المناک عذاب تھا' جو تمام چیزوں کو فنا کر دینے والا تھا' سب سے پہلے اس عذاب الٰہی کو ایک عورت نے دیکھا جس کا نام ممید تھا یہ چیخ مار کر بیہوش ہوگئی' جب ہوش آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا آگ کا بگولہ جو بصورت ہوا تھا جسے فرشتے گھسیٹتے چلے آتے تھے۔ برابر سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ آگ والی ہوا ان پر چلتی رہی اور عذاب کا بادل ان پر برستا رہا' تمام عادیوں کا ستیاناس ہوگیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی ایک باغیچے میں چلے گئے' وہاں اللہ نے انہیں محفوظ رکھا' وہی ہوا' ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہو کر ان کے جسموں کو لگتی رہی جس سے روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی رہی۔ ہاں عادیوں پر اس ہوا نے سنگباری شروع کر دی' ان کے دماغ پھٹ گئے' آخر انہیں اٹھا اٹھا کر دے پٹخا' سر الگ ہوگئے دھڑ الگ جا پڑے' یہ ہوا سوار کو سواری سمیت ادھر اٹھا لیتی تھی اور بہت اونچا لے جا کر اسے اوندھا دے پٹختی تھی' یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ عذاب الٰہی کے آجانے سے حضرت ہودؑ کو اور مومنوں کو نجات مل گئی رحمت حق ان کے شامل حال رہی اور باقی کفار اس بدترین سزا میں گرفتار ہوئے۔

مسند احمد میں ہے حضرت حارث بکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اپنے ہاں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر چلا۔ جب میں ربذہ میں پہنچا تو بنو تمیم کی ایک بڑھیا لاچار ہو کر بیٹھی ہوئی ملی' مجھ سے کہنے لگی' اے اللہ کے بندے مجھے سرکار رسالت مآبؐ میں پہنچنا ہے' کیا تو میرے ساتھ اتنا سلوک کرے گا کہ مجھے دربار رسالت میں پہنچا دے؟ میں نے کہا آؤ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے پہنچا' دیکھا کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے' سیاہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں' میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا' حضور ﷺ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کہیں لشکر بھیجنے والے ہیں میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا' اتنے میں حضور ﷺ اپنی منزل میں تشریف لے گئے' میں آپ کے پیچھے چلا گیا' اجازت طلب کی' اجازت ملی جب میں نے اندر جا کر سلام کیا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا' کیا تم میں اور بنو تمیم میں کچھ چشمک ہے؟ میں نے کہا' حضورؐ اس کے ذمہ دار وہی ہیں' میں اب حاضر خدمت ہو رہا تھا تو راستے میں قبیلہ تمیم کی ایک بڑھیا عورت مل گئی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی' اس نے مجھ سے درخواست کی اور میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر یہاں لایا ہوں' وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے' آپ نے اسے بھی اندر آنے کی اجازت دی۔

میں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر دیجئے' اس پر بڑھیا تیز ہو کر بولی' اگر آپ نے ایسا کر دیا تو پھر آپ کے ہاں کے بے بس کہاں پناہ لیں گے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! تیری اور میری تو وہی مثل ہوئی کہ بکری اپنی موت کو آپ اٹھا کر لے گئی' میں نے ہی تجھے یہاں پہنچایا' مجھے اس کے انجام کی کیا خبر تھی؟ اللہ نہ کرے کہ میں بھی عادی قبیلے کے وفد کی طرح ہو جاؤں' تو حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ بھئی عادیوں کے وفد کا قصہ کیا ہے؟ باوجودیکہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کا علم تھا' لیکن یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ باتیں کرنا چاہتے ہیں' میں نے قصہ شروع کر دیا کہ حضورؐ جس وقت عادیوں میں قحط سالی نمودار ہوئی تو انہوں نے قیل نامی ایک شخص کو بطور قاصد کے بیت اللہ شریف دعا وغیرہ کرنے کے لئے بھیجا' یہ معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر مہمان بنا' یہاں شراب و کباب اور راگ رنگ

میں ایسا مشغول ہوا کہ مہینے بھر تک جام لنڈھاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیوں کے گانے سنتا رہا' ان کا نام جرادہ تھا' مہینے بھر کے بعد مہرہ کے پہاڑوں پر گیا اور اللہ سے دعا مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ میں کسی بیمار کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کے فدیئے کے لئے نہیں آیا' یا اللہ عادیوں کو تو وہ پلا جو پلایا کرتا تھا - اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ چند سیاہ رنگ کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں' ان میں سے ایک غیبی صدا آئی کہ ان میں سے جو تجھے پسند ہو' قبول کر لے' اس نے سخت سیاہ بادل کو اختیار کیا' اسی وقت دوسری آواز آئی کہ لے لے خاک راکھ جو عادیوں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے' عادیوں پر ہوا کے خزانے میں سے صرف بقدر انگوٹھی کے حلقے کے ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے سب کو غارت اور تہ و بالا کر دیا - ابووائل کہتے ہیں یہ واقعہ سارے عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا' جب لوگ کسی کو بطور وفد کے بھیجتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ عادیوں کے وفد کی طرح نہ ہو جانا - اسی طرح مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے - سنن کی اور کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے - واللہ اعلم -

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

ثمودیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو' تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل بھی آ چکی' اللہ کی یہ اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے' اسے آزاد کر دو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی چگتی رہے خبردار اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا کہ تمہیں دردناک عذاب آ دبوچیں ○

ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام: ☆☆ (آیت :۷۳) علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح' یہ بھائی تھا جدیس بن عامر کا - اسی طرح قبیلہ طسم یہ سب خالص عرب تھے - حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمودی عادیوں کے بعد ہوئے ہیں' ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ اور اس کے اردگرد مشہور ہیں - سنہ ۹ ھ میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی اجاڑ بستیوں میں سے گزرے تھے - مسند احمد میں ہے کہ جب حضور ﷺ تبوک کے میدان میں اترے' لوگوں نے ثمودیوں کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے' ہانڈیاں چڑھائیں' تو آپ نے حکم دیا کہ سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیئے جائیں' پھر فرمایا' یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا' آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ -

ایک روایت میں ہے ان کی بستیوں سے روتے اور ڈرتے ہوئے گذرو کہ مبادا وہی عذاب تم پر آ جائیں' جو ان پر آئے تھے - اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لوگ بہ عجلت ہجر کے لوگوں کے گھروں کی طرف لپکے' آپ نے اسی وقت یہ آواز بلند کرنے کا کہا الصلوۃ جامعۃ' جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جا رہے ہو جن پر غضب الٰہی نازل ہوا' راوی حدیث ابوکبشہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا - میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ' ہم تو صرف تعجب کے طور پر انہیں دیکھنے چلے گئے تھے' آپؐ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی تعجب خیز چیز بتا رہا ہوں' تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیز بتا رہا ہے جو

گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلے جاؤ‘ تمہیں بھی عذاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں‘ یاد رکھو! ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابو کبشہؓ کا نام عمر بن سعد ہے اور کہا گیا ہے کہ عامر بن سعد ہے۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ حجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا‘ معجزے نہ طلب کرو‘ دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی‘ لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں‘ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے‘ اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے‘ بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا‘ اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو رغال‘ یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے مسلم شریف کی شرط پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی‘ کہ فقط اس کی عبادت کریں‘ اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے‘ جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں‘ صرف میری ہی عبادت کرو۔ اور ارشاد ہے‘ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

یاد کرو کہ اللہ نے عادیوں کے بعد تمہیں خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں ایسی زمین میں بسایا ہے کہ تم اس کے نرم حصے میں محلات بنا رہے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو‘ پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور فسادی بن کر زمین میں تباہی برپا کرتے نہ پھرو ○ اس کی قوم کے سرکش سرداروں نے قوم کے کمزور ایمان داروں سے کہا کہ کیا تمہیں صالح کے رسول اللہ ہونے کا پورا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہاں ہم تو جس شریعت کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں‘ ایمان رکھنے والے ہیں ○

(آیت: ۶۴-۷۵) حضرت صالحؑ فرماتے ہیں‘ لوگو تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے‘ ان لوگوں نے حضرت صالحؑ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا‘ اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالحؑ نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے‘ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی‘ دعا کی‘ ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی‘ اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے

ساتھیوں نے بھی' باقی جو اور سردار تھے' وہ ایمان لانے کے لئے تیار تھے' مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔ حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا۔ اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن انہی بدبختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا' کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی' قریب تھا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سوا ہو جاتی' مگر بدبختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا' ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے' جیسے قرآن میں ہے وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت میں ہے هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ یہ ہے اونٹنی اس کے اور تمہارے پانی پینے کے دن تقسیم شدہ اور مقررہ ہیں۔ یہ اونٹنی ثمودیوں کی بستی حجر کے اردگرد چرتی' چگتی تھی ایک راہ جاتی' دوسری راہ آتی' یہ بہت ہی موٹی تازی اور ہیبت والی اونٹنی تھی جس راہ سے گذرتی' سب جانور ادھر ادھر ہو جاتے' کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان اوباشوں نے ارادہ کیا کہ اس کو مار ڈالیں تا کہ ہر دن ان کے جانور برابر پانی پی سکیں' ان اوباشوں کے ارادوں پر سب نے اتفاق کیا یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہیں شہہ دی کہ ہاں اس پاپ کو کاٹ دو' اس اونٹنی کو مار ڈالو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾

جن لوگوں نے سرکشی کی تھی انہوں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو' ہم اس کے منکر ہیں ○ پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکاتا رہتا ہے' اگر تو فی الواقع پیغمبروں میں سے ہے تو انہیں ہم پر نازل کردے ○ پس انہیں زلزلے نے آ پکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں ہی زانو پر اوندھے گرے ہوئے مردے رہ گئے ○

(آیت: ۷۶۔۷۸) چنانچہ قرآن کریم میں ہے فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا الخ قوم صالح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا' تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے بدلے ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور ان سب کو یکساں کر دیا اور آیت میں ہے کہ ہم نے ثمودیوں کو اونٹنی دی جوان کے لئے پوری سمجھ بوجھ کی چیز تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا' یہاں بھی فرمایا کہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا' پس اس فعل کی اسناد سارے ہی قبیلے کی طرف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے سب اس امر پر متفق تھے امام ابن جریرؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالحؑ سے بڑی دشمنی رکھتی تھی' اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار' اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا' یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا' یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی' اس کا خاوند مسلمان ہو گیا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سرکش عورت نے خاوند کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے۔ صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اسے کہا کہ میں تیرے گھر آ

جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے' لیکن اس نے انکار کر دیا' اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا - یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتوں تھا' اس برائی پر آمادہ ہو گیا - ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے' اسے میں تجھے دے دوں گی اس شرط پر' کہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال' یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا' یہ تھا بھی زناکاری کا بچہ (زنا کی پیداوار)' سالف کی اولاد میں نہ تھا' جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زناکاری کی تھی' یہ اسی سے پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بد ارادے پر تل گئے' جیسے قرآن کریم میں ہے وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا' سراسر فسادی ہی تھے' چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے' ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کے راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے' جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا' اس نے کہا' قدار کیا دیکھتے ہو' اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو' یہ اس کی شکل دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے' اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا - ادھر قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی' اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا -

حسن بصریؒ فرماتے ہیں - اس نے اللہ کی سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی' پھر جس چٹان سے نکلا تھا' اسی میں سما گیا - یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا - واللہ اعلم حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے' دیکھا کہ اونٹنی بے جان پڑی ہے' آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا' بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے' ہوا بھی یہی' بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا' اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو' اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آؤ روز روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں -

چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہ تیغ کرو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بے خبر رہے' اب انجام دیکھ لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالحؑ کے گھر کی طرف چلے' آپ کا گھر پہاڑ کی بلندی پر تھا' ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے کہ اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا ان کا تو یہ حشر ہوا ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے' جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا' ان کے منہ سیاہ ہو گئے - تین دن جب گذر گئے تو چوتھا دن اتوار صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑاکا ہوا' جس کی ہولناک دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے' ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا' ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا' مردوں سے مکانات' بازار' گلی' کوچے بھر گئے' مرد' عورت' بچے' بوڑھے اول سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے شان رب دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچا دی گئی' یہ بھی بڑی خبیثہ تھی' حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی' اس کی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں لیکن ادھر عذاب آیا' ادھر اس کے پاؤں کھل گئے' اپنی بستی سے سرپٹ بھاگی

اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کر ہی چکنے کے بعد ان سے پانی مانگا۔ ابھی پوری پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ عذاب الٰہی آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو دغال نامی ایک شخص اور بچ گیا تھا یہ یہاں نہ تھا حرم کی پاک زمین میں تھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کسی کام کی غرض سے حد حرم سے باہر آیا' اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی جہنم واصل کیا ثمودیوں میں سے سوائے حضرت صالحؑ اور ان کے مومن صحابہؓ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ ابو دغال کا واقعہ اس سے پہلے حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ قبیلہ ثقیف جو طائف میں ہے' مذکور ہے کہ یہ اس کی نسل سے ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ اس کی قبر کے پاس سے رسول کریم ﷺ جب گذرے تو فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپؐ نے فرمایا' یہ ابو دغال کی قبر ہے' یہ ایک ثمودی شخص تھا' اپنی قوم کے عذاب کے وقت یہ حرم میں تھا' اس وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ رہا لیکن حرم شریف سے نکلا تو اسی وقت اپنی قوم کے عذاب سے یہ بھی ہلاک ہوا اور یہیں دفن کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی لکڑی بھی دفنا دی گئی' چنانچہ لوگوں نے اس گڑھے کو کھود کر اس میں سے وہ لکڑی نکال لی۔

اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' ثقیف قبیلہ اسی کی اولاد ہے' ایک مرسل حدیث میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' اس کے ساتھ سونے کی شاخ دفن کر دی گئی تھی' یہی نشان اس کی قبر کا ہے' اگر تم اسے کھودو تو وہ شاخ ضرور نکل آئے گی' چنانچہ بعض لوگوں نے اسے کھودا اور وہ شاخ نکال لی۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے اور حسن عزیز ہے لیکن میں کہتا ہوں اس حدیث کے وصل کا صرف ایک طریقہ بجیر بن ابی بجیر کا ہے اور یہ صرف اسی حدیث کے ساتھ معروف ہے اور بقول حضرت امام یحییٰ بن معینؒ سوائے اسماعیل بن ابی امیہ کے اسے اس سے اور کسی نے روایت نہیں کیا' احتمال ہے کہ کہیں اس حدیث کے مرفوع کرنے میں خطا نہ ہو۔ یہ عبداللہ بن عمرو ہی کا قول ہو اور پھر اس صورت میں یہ بھی ممکنات سے ہے کہ انہوں نے اسے ان دو دفتروں سے لے لیا ہو جو انہیں جنگ یرموک میں ملے تھے۔ میرے استاد شیخ ابوالحجاجؒ اس روایت کو پہلے تو حسن عزیز کہتے تھے لیکن جب میں نے ان کے سامنے یہ حجت پیش کی تو آپ نے فرمایا بے شک ان امور کا اس میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

حضرت صالحؑ نے ان سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میرے بھائیو میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری پوری خیر خواہی کی' لیکن افسوس تم اپنے خیر خواہوں کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ○

صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۷۹) قوم کی ہلاکت دیکھ کر افسوس' حسرت اور آخری ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر پیغمبر حق حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ تمہیں رب کی رسالت نے فائدہ پہنچایا نہ میری خیر خواہی ٹھکانے لگی' تم اپنی بے سمجھی سے دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے اور آخر اس روز بد کو دعوت دے لی۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب بدری کفار پر غالب آئے' وہیں تین دن تک ٹھہرے رہے' پھر رات کے آخری وقت اونٹنی پر زین کس کر آپ تشریف لے چلے اور جب اس گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں ان کافروں کی لاشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے' اے ابو جہل' اے عتبہ' اے شیبہ' اے فلاں' اے فلاں' بتاؤ رب کے وعدے تم نے درست پائے؟ میں نے تو اپنے رب کے فرمان کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی' حضرت عمرؓ نے کہا' یا رسول اللہ آپ ان

جسموں سے باتیں کر رہے ہیں جو مردار ہو گئے؟ آپ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں جو ان سے کہہ رہا ہوں اسے یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں' لیکن جواب کی طاقت نہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم نے میرا خاندان ہونے کے باوجود میرے ساتھ وہ برائی کی کہ کسی خاندان نے اپنے پیغمبر کے ساتھ نہ کی' تم نے میرے ہم قبیلہ ہونے کے باوجود مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے مجھے سچا سمجھا' تم نے رشتہ داری کے باوجود مجھے دیس نکالا دیا اور دوسروں نے مجھے اپنے ہاں جگہ دی' افسوس تم اپنے ہو کر مجھ سے برسر جنگ رہے اور دوسروں نے میری امداد کی' پس تم اپنے نبی کے بدترین قبیلے ہو۔ یہی حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں نے تو ہمدردی کی انتہا کر دی' اللہ کے پیغام کی تبلیغ میں' تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی' لیکن آہ نہ تم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا' نہ حق کی پیروی کی' نہ اپنے خیر خواہ کی مانی' بلکہ اسے اپنا دشمن سمجھا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ہر نبی جب دیکھتا کہ اب میری امت پر عام عذاب آنے والا ہے انہیں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوتا اور حرم مکہ میں پناہ لیتا۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حج کے موقعہ پر جب رسول کریم ﷺ وادی عسفان پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ آپ نے جواب دیا' وادی عسفان' فرمایا' میرے سامنے سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام ابھی گذرے' اونٹنیوں پر سوار تھے جن کی نکیلیں کھجور کے پتوں کی تھیں' کمبلوں کے تہبند بندھے ہوئے اور موٹی چادریں اوڑھے ہوئے تھے' لبیک پکارتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف تشریف لے جا رہے تھے' یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

(ہم نے ہی لوط کو بھیجا) اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کر رہے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا ○ کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر اپنی شہوت رانی کے لئے مردوں کی طرف مائل ہو رہے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم لوگ ہو ہی حد سے گذر جانے والے ○

لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) فرمان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا' تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کر۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا' آپ نے ان کو اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا' نیکیوں کے کرنے' برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا' جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی جو ان سے پہلے دنیا سے مفقود تھی' اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے' عمرو بن دینارؒ یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں' اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں اس بات کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کر لے۔ اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا' عورتوں کو جو اس کام کے لئے تھیں' چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہو گی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں' لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں' ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے' عورتیں بھی عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اس کے جواب میں قوم لوط کا صرف یہی قول تھا کہ انہیں اپنے شہر سے نکال دو' یہ تو بڑے ہی پاک باز لوگ ہیں ○ پس ہم نے لوط کو اور اس کے گھرانے کو بجز اس کی بیوی کے بچالیا' وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ اور ہم نے ان پر بڑی بارش برسائی' دیکھ لے کہ ان بدکاروں کا کیسا برا انجام ہوا ○

(آیت:۸۲) قوم لوط پر بھی نبی کی نصیحت کارگر نہ ہوئی' بلکہ الٹا دشمنی کرنے لگے اور دیس نکالا دینے پر تل گئے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مع ایمانداروں کے وہاں سے صحیح سالم بچالیا اور تمام بستی والوں کو ذلت و پستی کے ساتھ تباہ و غارت کر دیا۔ ان کا یہ کہنا کہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں بطور طعنے کے تھا اور یہ بھی مطلب تھا کہ یہ اس کام سے جو ہم کرتے ہیں' دور ہیں' پھر ان کا ہم میں کیا کام؟ مجاہدؒ اور ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔

لوطی تباہ ہو گئے: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۴) حضرت لوطؑ اور ان کا گھرانہ اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے۔ بجز آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا جیسے فرمان رب ہے فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی وہاں جتنے مومن تھے' ہم نے سب کو نکال دیا' لیکن بجز ایک گھر والے کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں' بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی' بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی' اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی' اسی لئے حضرت لوطؑ سے کہہ دیا گیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آ گئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی' وہیں اسی وقت اس بدنصیب پر بھی عذاب آ گیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوطؑ نے عذاب کی خبر کی' نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے' یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہو گئی۔ غابرین کے معنی بھی باقی رہ جانے والے ہیں' جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں' وہ بطور لزوم کے ہیں' کیونکہ جو باقی تھے' وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مسلمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہر سے نکلتے ہی عذاب الٰہی ان پر بارش کی طرح برس پڑا' وہ بارش' پتھروں اور ڈھیلوں کی تھی جو ہر ایک پر بالخصوص نشان زدہ اسی کے لئے آسمان سے گر رہے تھے۔ گو اللہ کے عذاب کو بے انصاف لوگ دور سمجھ رہے ہوں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں' اے پیغمبر آپ خود دیکھ لیجئے کہ اللہ کی نافرمانیوں اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں' لوطی فعل کرنے والے کو اونچی دیوار سے گرا دیا جائے' پھر اوپر سے پتھراؤ کر کے اسے مار ڈالنا چاہئے کیونکہ لوطیوں کو اللہ کی طرف سے یہی سزا دی گئی۔ اور علماء کرام کا فرمان ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا بے شادی ہو۔

امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک یہی ہے۔ اس کی دلیل مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جسے تم لوطی فعل کرتے پاؤ' اسے اور اس کے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بھی مثل زناکاری کے ہے' شادی شدہ ہوں تو رجم ورنہ سو کوڑے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔ عورتوں سے اس قسم کی حرکت کرنا بھی چھوٹی

لواطت ہے اور بہ اجماع امت حرام ہے' بجز ایک شاذ قول کے اور بہت سی احادیث میں اس کی حرمت موجود ہے۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا' انہوں نے سمجھایا کہ اے قومی بھائیو! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آ پہنچی' اب تم ناپ تول پوری کیا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک کے صحیح انتظام کے بعد اس میں رخنہ اندازیاں نہ کرو' اگر تم ایماندار ہو تو تمہارے لئے یہی بات بہتری والی ہے O

خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۸۵) مشہور مورخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ حضرت شعیب میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے' ان کا نام سریانی زبان میں یژون تھا۔ یہ یاد رہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا' یہ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے راستے میں آتا ہے۔ آیت قرآن وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ میں شہر مدین کے کنویں کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ایکہ والے ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ماپ تول میں کمی کی عادت چھوڑ' لوگوں کے حقوق نہ مارو' کہو کچھ اور کرو کچھ' یہ خیانت ہے۔ فرمان ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ان ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ویل ہے' اللہ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے' آپ کو بہ سبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ کے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا' علیہ الصلوۃ والسلام۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ

خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾

ہر ہر راہ پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو راہ اللہ سے روکنا اور اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو' اپنے اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم بہت تھوڑے سے تھے' اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور اور خود دیکھ لو کہ فساد مچانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا؟ ○ اگر تم میں سے ایک گروہ اس چیز پر ایمان لائے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لائے تو تم صبر کرو سہار سے کام لو یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہم میں فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

قوم شعیبؑ کی بداعمالیاں: ☆☆ (آیت: ۸۶-۸۷) فرماتے ہیں کہ مسافروں کے راستے میں دہشت گردی نہ پھیلاؤ' ڈاکہ نہ ڈالو اور انہیں ڈرا دھمکا کر ان کا مال زبردستی نہ چھینو' میرے پاس ہدایت حاصل کرنے کے لئے جو آنا چاہتا ہے' اسے خوفزدہ کر کے روک دیتے ہو' ایمانداروں کو اللہ کی راہ پر چلنے میں روڑے اٹکاتے ہو' راہ حق کو ٹیڑھا کر دینا چاہتے ہو' ان تمام برائیوں سے بچو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ زیادہ ظاہر ہے کہ ہر رستے پر نہ بیٹھنے کی ہدایت تو قتل و غارت کے سدباب کے لئے ہو جو ان کی عادت تھی اور پھر راہ حق سے مومنوں کو نہ روکنے کی ہدایت پھر کی ہو۔ تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ گنتی میں' قوت میں تم کچھ نہ تھے بہت ہی کم تھے' اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری تعداد بڑھا دی اور تمہیں زورآور کر دیا' رب کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو' عبرت کی آنکھوں سے ان کا انجام دیکھ لو جو تم سے پہلے ابھی گذر رہے ہیں' جن کے ظلم و جبر کی وجہ سے' جن کی بدامنی اور فساد کی وجہ سے رب کے عذاب ان پر ٹوٹ پڑے' وہ اللہ کی نافرمانیوں میں رسولوں کے جھٹلانے میں مشغول رہے' دلیر بن گئے جس کے بدلے اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوئی' آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی باقی نہیں رہی' نیست و نابود ہو گئے' مرمٹ گئے' دیکھو میں تمہیں صاف بے لاگ ایک بات بتا دوں' تم میں سے ایک گروہ مجھ پر ایمان لا چکا ہے اور ایک گروہ نے میرا انکار اور بری طرح مجھ سے کفر کیا ہے' اب تم خود دیکھ لو گے کہ مدد ربانی کس کا ساتھ دیتی ہے اور اللہ کی نظروں سے کون گر جاتا ہے؟ تم رب کے فیصلے کے منتظر رہو' وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا اور سچا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم خود دیکھ لو کہ اللہ والے بامراد ہوں گے اور اللہ کے دشمن نامراد ہوں گے۔